غروب آفتاب

05-17-2017

فہرست

انٹرٹینمنٹ

بہتر گھر ۱
جلد کی حفاظت اور گھریلو نسخے ۲
کمپیوٹر وائرس ۴

بچوں کی دنیا

بھوت ۵

مشور شاکسیت

جنید جمشید دلوں میں زندہ رہے گا ۶
فن کی دنیا میں وحید مراد کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا ۸

معاشرہ ثقافت

بہتر گھر ۱۱
بے چین ۱۲
ترقی ۱۵
نپولین ۱۶

بہتر گھر

مصنف: یوسف اقبال

ایک شخص نے بہتر گھر خریدنے کیلئے اپنا پہلے والا گھر بیچنا چاہا۔
اس مقصد کیلئے وہ اپنے ایک ایسے دوست کے پاس گیا جو جائیداد کی خرید و فروخت میں اچھی شہرت رکھتا تھا۔
اس شخص نے اپنے دوست کو مدعا سنانے کے بعد کہا کہ وہ اس کے لئے گھر برائے فروخت کا ایک اشتہار لکھ دے۔
اس کا دوست اِس گھر کو بہت ہی اچھی طرح سے جانتا تھا۔ اشتہار کی تحریر میں اُس نے گھر کے محل وقوع، رقبے، ڈیزائن، تعمیراتی مواد، باغیچے، سوئمنگ پول سمیت ہر خوبی کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔
اعلان مکمل ہونے پر اُس نے اپنے دوست کو یہ اشتہار پڑھ کر سُنایا تاکہ تحریر پر اُسکی رائے لے سکے۔
... اشتہار کی تحریر سُن کر اُس شخص نے کہا، برائے مہربانی اس اشتہار کو ذرا دوبارہ پڑھنا۔ اور اُس کے دوست نے اشتہار دوبارہ پڑھ کر سُنا دیا۔
اشتہار کی تحریر کو دوبارہ سُن کو یہ شخص تقریباً چیخ ہی پڑا کہ کیا میں ایسے شاندار گھر میں رہتا ہوں؟
اور میں ساری زندگی ایک ایسے گھر کے خواب دیکھتا رہا جس میں کچھ ایسی ہی خوبیاں ہوں۔ مگر یہ کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ میں تو رہ ہی ایسے گھر میں رہا ہوں جس کی ایسی خوبیاں تم بیان کر رہے ہو۔ مہربانی کر کے اس اشتہار کو ضائع کر دو، میرا گھر بکاؤ ہی نہیں ہے۔
ایک بہت پرانی کہاوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نعمتیں تمہیں دی ہیں ان کو ایک کاغذ پر لکھنا شروع کر دو، یقیناً اس لکھائی کے بعد تمہاری زندگی اور زیادہ خوش و خرم ہو جائے گی۔
اصل میں ہم اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا ہی بھلائے بیٹھے ہیں کیوں کہ جو کچھ برکتیں اور نعمتیں ہم پر برس رہی ہیں ہم اُن کو گننا ہی نہیں چاہتے۔
ہم تو صرف اپنی گنی چنی چند پریشانیاں یا کمی اور کوتاہیاں دیکھتے ہیں اور برکتوں اور نعمتوں کو بھول جاتے ہیں۔
کسی نے کہا: ہم شکوہ کرتے ہیں کہ اللہ نے پھولوں کے نیچے کانٹے لگا دیئے ہیں۔ ہونا یوں چاہیئے تھا کہ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے کہ اُس نے کانٹوں کے اوپر بھی پھول اگا دیئے ہیں۔
ایک اور نے کہا: میں اپنے ننگے پیروں کو دیکھ کر کُڑھتا رہا، پھر ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے پاؤں ہی نہیں تھے تو شکر کے ساتھ اللہ کے سامنے سجدے میں گر گیا۔
اب آپ سے سوال

- کتنے ایسے لوگ ہیں جو آپ جیسا گھر، گاڑی، ٹیلیفون، تعلیمی سند، نوکری وغیرہ، وغیرہ، وغیرہ کی خواہش کرتے ہیں؟
- کتنے ایسے لوگ ہیں جب آپ اپنی گاڑی پر سوار جا رہے ہوتے ہو تو وہ سڑک پر ننگے پاؤں یا پیدل جا رہے ہوتے ہیں؟
- کتنے ایسے لوگ ہیں جن کے سر پر چھت نہیں ہوتی جب آپ اپنے گھر میں محفوظ آرام سے سو رہے ہوتے ہیں؟
- کتنے ایسے لوگ ہیں جو علم حاصل کرنا چاہتے تھے اور نا کر سکے اور تمہارے پاس تعلیم کی سند موجود ہے؟
- کتنے بے روزگار شخص ہیں جو فاقہ کشی کرتے ہیں اور آپ کے پاس ملازمت اور منصب موجود ہے؟

اور وغیرہ وغیرہ وغیرہ ہزاروں باتیں لکھی اور کہی جا سکتی ہیں۔۔۔۔۔
کیا خیال ہے ابھی بھی اللہ کی نعمتوں کے اعتراف اور اُنکا شکر ادا کرنے کا وقت نہیں آیا کہ ہم کہہ دیں
یا رب لک الحمد کما ینبغي لجلال وجھک وعظیم سلطانک
اللھم لک الحمد حتی ترضی و لک الحمد إذا رضیت ولک الحمد بعد الرضا

§§§

جلد کی حفاظت اور گھریلو نسخے

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

جلد کی تازگی

دھوپ کی الٹراوائلٹ شعاعیں جلد کو بہت نقصان پہنچاتی ہیں.خاص طور پر گرمیوں کےطویل موسم میں یہ اکثر خواتین کے لیئے پریشان کن ثابت ہوتی ہیں.اور جلد کی تازگی ختم کرکے اسے جلد بوڑھا کردیتی ہیں.یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آپ گھر سے باہر ہی نہ نکلیں.پر جب بھی نکلیں سن بلاک ضرور لگائیں.یا میک اپ میں ایسی پروڈکٹ استعمال کریں جن میں ایس پی ایف ہو کوشش کریں کہ لمبی آستینوں والے کپڑے پہنیں.پیشانی کو دوپٹے یا اسکارف سے کور کریں.چہل قدمی صبح کے وقت کریں تاکہ آپ ان نقصاندہ شعاعوں سے کسی حد تک محفوظ رہ سکیں.اگر آپ اپنی جلد پر عمر کے بڑھتے اثرات سے پریشان ہیں جو ایسٹروجن اوردوسرے مختلف عوامل کی وجہسے وجود میں آئے ہیں.

تو آپ انکی مناسب دیکھ بھال اور حفاظت گھر بیٹھے مختلف دیسی نسخوں سے بھی کرسکتیں ہیں.ہوسکے تو سبزیوں کا استعمال زیادہ سے زیادہ رکھیں.ڈبوں کی بند خوراک سے پرہیز کریں.جڑی بوٹیوں کا استعمال رکھیں.تیز مصالحے اور تلی ہوئی چیزوں کا استعمال کم کریں.تازہ جوس کااستعمال کریں.سردیوں میں گرین ٹی یا قہوہ چائے کا استعمال لیکن کثرت سے بھی نہیں بہتر ہے.پنیر، مچھلی،السی کے بیج،ٹماٹر، کافی اور زیتون کے تیل کا استعمال بھی جلد پر نمودار ہونے والے اثرات کو کافی حد تک کم کرتا ہے دودھ، انڈہ، دہی،پالک،گاجر،پپیتے،عرق گلاب،گیندے کے پھول کا عرق کا استعمال بھی جلد کے لیئے مؤثر ثابت ہوسکتا ہےاور ان اثرات کو کافی حد تک کم کردیتا ہے.بلکہ جلد کو نکھارتا اور خوبصورت بھی بناتا ہے.پانی کا استعمال ہمیشہ زیادہ رکھیں.کم سے کم دن میں سولہ گلاس پانی ضرور پیئیں. گرمیوں میں آپ تین سے چار خوبانی، چند پتے پودینے، آدھا پانی جگ ٹھنڈا جوس بناکر پیئیں تو اس سے گرمی کی شدت میں کافی کمی آجاتی ہے اور جلدکو توانائی اور تازگی ملتی ہے.اسکے علاوہ اگر آپ ایک چمچہ سونف ایک کپ پانی میں ابال کر اور اس میں عرق گلاب ملا کر اسپرے بوتل میں بھرلیں.اور اس سے چہرے پر دو سے تین دفعہ دن میں اسپرے کریں تو اسکن پر بہت اچھا رزلٹ آئے گا جلد جتنی صاف رہے گی اتنی ہی ایکنی اور کیل مہاسوں سے محفوظ بھی۔

کیل مہاسوں سے نجات

کیل مہاسوں سے نجات کے لیئے چہرے پر نمک، سرکہ اور سفیدے کے پتے گرم پانی میں ڈال کر اسٹیم لیں.جبکہ ایکنی کے لیئےدو عدد پودینے کے پتے، دوعدد سفیدے کے اور دو عدد نیم کے پتے لے کر پیسٹ بنائیں.اور ایکنی کی جگہ اپلائ کریں پینتالیس منٹ کے بعدچہرہ صاف پانی سے دھو لیں.یہ نسخہ ہفتے میں دو دن استعمال کرنا ہے نتیجہ آپ کے سامنے ہوگا.

ایکنی یا اسکن ڈبل ٹون کا حل

جن خواتین کو ایکنی یا سانولے رنگ کا مسلہ ہو یا اسکن ڈبل ٹون ہوجائے ان کو چاہیئے کہ وہ ایلوورا کا جیل نکال کرسات سے دس قطرے اولیو آئل کے مکس کرکے پیسٹ بنالیں.اور روز یہ کریمی پیسٹ رات کو لگاکے سوئیں.پندرہ سے بیس دن میں اسکن بالکل صاف ہوجائے گی.

جلد کا رنگ

بیسن میں لیموں کے چند قطرے ڈال کر پیسٹ بنائیں.اور پھر اس سے سوپ کی جگہ روز منہ دھوئیں.اس سے ایکنی میں بھی کمی ہوگی اور جلد ک رنگ بھی خراب نہیں ہوگا بلکہ پہلے سے زیادہ صاف ہوجائے گا.

جھریوں یا رنکلز سے گھر بیٹھے نجات

جلد کو جھریوں سے محفوظ رکھنے کے لیئےدو گرام سلاجیت اور عرق گلاب ملا کر پیسٹ بنالیں.اور چہرے پر لگائیں.سوکھنے پر چہرہ دھو کر صاف کرلیں.انڈے کی سفیدی میں ایک چمچہ شہد اور ایک چمچہ زیتون کا تیل ملا کر چہرے پر لگانے سے بھی جلد ٹائیٹ اور فریش ہوجاتی ہے اسکے علاوہ کچا دودھ بھی چہرے کے لیئے مفید ہے.

آئی برو اور لیشز گھنی کریں

جن بہنوں کی آئ برو یا بھنوئیں اور لیشز یا پلکیں ہلکی ہیں وہ روز رات کو کسٹر آئل میں زیتون کا تیل ملا کر لگائیں.گھنی ہوجائیں گیں.

آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے یا ڈارک سرکلز

آنکھوں کے گرد اگر سیاہ حلقے ہیں.تو ان پر آلو کی قتلی یا کھیرا بھی رکھیں تو کافی سکون ملتا ہے اور تھکاوٹ دور ہوتی ہے آپ آلو کش کرکے اسے گول سانچے میں فریز کرکے بھی آنکھوں پر رکھ سکتی ہیں.اسکے علاوہ اگر آپ کو ارجنٹ کسی تقریب میں جانا ہے اور میک اپ ان آئ سرکلز کو چھپانے میں ناکام ہورہا ہے تو گھبرایئے نہیں بلکہ دو اسٹیل کے چمچے تھوڑی دیر کے لیئے فریزر میں رکھ دیں اور نکلنے سےزرا دیر پہلے انھیں آنکھوں پر رکھ کر گولائ کی شکل میں ہلکا سا مساج کریں.یہ دب جائیں گے اور میک اپ میں نمایاں بھی نہیں ہوں گے.

بڑھتے ہوئے وزن سے پریشانی

اگر آپ بڑھتے ہوئے وزن سے پریشان ہیں تو اسکا ایک آسان سا حل بھی موجود ہے دو سو پچاس گرام شہد لیں.ایک سو اسی ملی لیٹر سفید سرکہاور دوسو پچاس گرام باریک کٹا لہسن کے ساتھ اچھی طرح مکس کرکے کسی ایئر ٹائیٹ بوتل میں بھر کر فریج میں رکھ دیں.اور روز نہار منہ ناشتے سے پہلے دوچمچے استعمال کریں.

سوجے ہوئے پاؤں

اگر آپ کے پاؤں بیٹھے بیٹھے سوج جاتے ہیں.تو روزانہ رات کو ایک پلاسٹک کے ٹب میں پانی کے اندر ایک چمچ زیتون کا تیل ملا کر کچھ وقت کے لیئے پاؤں پانی میں ڈبو کر رکھیں.جلد ہی تکلیف میں آرام ہوگا.

پیروں کی صفائی اور خوبصورتی کے لیئے

ایک سفید شلجم چھیل کر ابال لین اور پھر کچل کر پانی میں ملادیں اور شیمپو اور تھوڑی ہلدی شامل کرکے کچھ دیر پیروں کو نیم گرم پانی میں ڈبو کر رکھیں.اسکے بعد پیڈی کیور کٹ اگر ہوتو ورنہ کسی نرم برش کی مدد سے انگلیوں اور ناخنوں کی اچھی طرح صفائ کریں.اور خشک کرلیں یہ عمل روز کریں.آپ پانی میں ادرک کا پانی بھی ڈال سکتی ہیں.اسکے علاوہ دودھ میں ہلدی ملا کر اس سے بھی پاؤں اور ہاتھوں کا مساج کرسکتی ہیں.

توانا بال اب آپ بھی بنائیں

بال حسن کی علامت ہیں.اگر ان میں گرنے جھڑنے یا سفید ہونے یا خشکی کا عمل شروع ہوجائے یا دوشاخہ نیز ایسی کئ پروبلمز ہیں جو بالوں کے ساتھ ہوجاتی ہیں.تو کوشش کریں کہ ان پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیں.اپنے شیمپو اور تیل ہر دوماہ بعد اپنے بالوں اور جلد کے مطابق تبدیل کریں.ہیئر فال زیادہ ہو تو شیمپو کا استعمال نہ کریں بہت سی جڑی بوٹیاں اسکا نعم البدل بھی ہوسکتین ہیں.جیسے املہ ریٹھا سیکاکائ.بال جھڑ کا استعمال کرسکتے ہیں.نہار منہ شہد کا استعمال کریں مچھلی کا استعمال زیادہ سے زیادہ رکھیں.اسکے علاوہ آپ تیل میں انڈے میں شہد اور لیمن جوس ملا کر بھی بالوں میں ہفتے میں ایک دن لگاکر مساج کریں اور تین سے چار گھنٹوں کے بعد سر کو اچھی طرح دھولیں تو اس سے بھی کافی فرق پڑے گا اگر بال تیزی سے گررہے ہیں تو رات کو کچھ میتھی کے دانے پانی میں بھگو کر رکھ دیں.اور صبح سر میں تین سے چار گھنٹے لگاکر سر کو کور کردیں.پھر سر کو دھو کر جڑوں میں ہلکا سا آئل لگالیں.یا نیم گرم پانی میں لیمن ملا کر ہلکا سا مساج کرلیں.بال گرنا رک جائیں گے اور چمکدار بھی ہوں گے.اگر یہی عمل بکری کے دودھ کے ساتھ دہرایا جائے تو ایک سے ڈیڑھ ماہ میں ہی نتائج سامنے آجائیں گےاور بال پہلے سے اچھا اور گھنا نکلے گا یہ عمل ہفتے میں دودفعہ لازمی کرنا ہے.

§§§

کمپیوٹر وائرس

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

کمپیوٹر وائرس (Computer Virus) ایسا پروگرام ہے جو اپنے آپ کو ایک Computer سے دوسرے کمپیوٹر میں داخل کرتا ہے اور جس میں بھی وہ داخل ہوتا ہے اس کے ہارڈویئر یا سوفٹ ویئر میں چھیڑ چھاڑ کرتا ہے۔

وائرس کا کام

وائرس کو اس طریقے سے ڈیزائن کیا جاتا ہے کہ وہ ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہوتے وقت یوزر کے علم سے بچ جائیں اور پتہ بھی نہ لگے کہ وائرس داخل ہوچکا ہے۔ جب وائرس کمپیوٹر میں داخل ہوجائے تو وہ کمپیوٹر کو اپنے کنٹرول میں لے لیتا ہے وائرس کی ان ہدایات کوجو کسی سسٹم کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے (Payload) کہا جاتاہے تاہم(پے لوڈ)کسی بھی فال یا پیغام کو خراب کر دیتاہے یا پھر اس کو بدل دیتا ہے ۔ لہذا کمپیوٹر کا نظام خراب ہوجاتا ہے۔

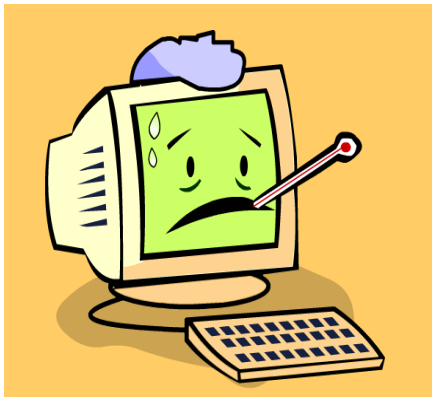

اور بھی ایسے پروگرام ہیں جو کمپیوٹر پروگرام کےلئے نقصان دہ ہے لیکن ان میں یکساں طور پر یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں کہ وہ خودبخود ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہوجائیں اور پھر ان کا کھوج بھی نہ لگایا جاسکے ۔ لیکن پھر بھی ایسے پروگرامز وائرس سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ کسی کھیل کی صورت میں آسکتے ہیں‌اور پھر اپنا کام دکھاتے ہیں ان میں سے بعض پروگرامز ایسے ہیں جو اس وقت تک عمل پزیر نہیں ہوتے جب تک وہ ایک خاص تاریخ یا وقت کو نہ پالیں۔اور پھر کسی مخصوص حرف کو یوزر ٹائپ نہ کرے ایسے بھی نقصان دہ پروگرامز سامنے آتے ہیں جو اپنے آپ کو کاپی کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کا حجم کمپیوٹر کی میموری پر حاوی ہوجاتا ہے اور اس طرح کمپیوٹر کا کام سست پرجاتا ہے۔

وائرس کا اثرانداز ھونا

وائرس کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں؟ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ وائرس ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہوتے ہیں اور جب وہ اپنا کام شروع کردیں تو پھر وہ کسی بھی فلیش ڈسک یا ہارڈڈرائیو جو ایک کمپیوٹر سسٹم کا حصہ ہے ان میں منتقل ہوجاتا ہے۔

اور اس طرح سارے نیٹ ورک اور دوسرے کمپیوٹرز میں خرابیاں پیدا کرنے لگ جاتاہے ایسے وائرس عام طور پر Professional Main Frame Systemsکی نسبت Personal Computersمیں زیادہ پائے جاتے ہیں کیونکہ ان پروگرامز کو سی ڈیز یا فلیش ڈسک کے ذریعے پھیلایا جاتاہے۔ جو Personal Computers کمپیوٹر استعمال کرنے والوں کے کام آتی ہے۔ وائرسز صرف اس وقت عمل پزیر ہوتے ہیں جب ان کے پروگرام کو استعمال کیا جائے لہذا اگر کوئی کمپیوٹر کسی انٹرنیٹ ورک سے منسلک ہے ضروری نہیں کہ اس کمپیوٹر خرابی پیدا ہو تاہم ایسے وائر س پروگرام ہیں جو کمپیوٹر یوزر کو لالچ دے کر اپنا پروگرام استعمال کرواتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض ایسے وائرس ہیں جو کسی اچھے پروگرام کے ساتھ اٹیچ ہوجاتے ہیں لہذا جب ان پروگرام کو چلایا جاتا ہے تو وائرس بھی ایکٹو ہوجاتے ہیں۔

وائرس کی تاریخ

1949ء میں ہنگری کا ایک باشندہ جو امریکہ میں قیام پزیر ہوچکا تھا یعنی (John Von Neumann) نے نیوجرسی کی ایک انسٹی ٹیوٹ میں یہ ارادہ کیا کہ اس بات کا پتہ لگایا جائے کہ کیا کمپیوٹر پروگرام ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں خود بخود منتقل ہوسکتے ہیں‌یا نہیں لہٰذا1950ء کی دہائی میں ایک ایسی کھیل بنائی گئی جس کے نتیجے میں اس کھیل کوکھیلنے والے چھوٹے چھوٹے کمپیوٹر پروگرام بناتے تھے جو اپنے حریف کے سسٹم پر حملہ آور ہوتے تھے اور اسکے پروگرام کو مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔

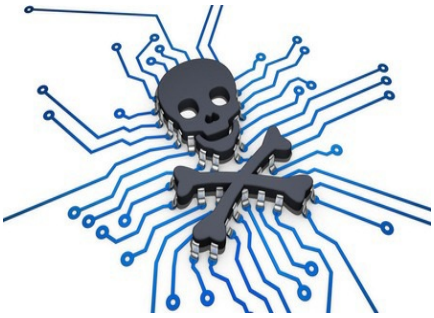

1983ء میں ایسے پروگرامزکو وائرس کانام دیا گیا۔1985ء میں وائرس سے ملتے جلتے پروگرام سامنے آئے جس کے نتیجے میں وائرس پروگرام کو ترقی ملی 1986ء میں برین وائرس (Brain Virus)سامنے آیا۔جو ایک سال کے اندر اندر ساری دنیا میں پھیل گیا۔ 1988ء میں ایک وائرس کا پتہ لگا جس نے پوری یونائیٹڈ اسٹیٹ میں تہلکہ مچا دیااور اسی طرح 1990ء کی دہائی میں اور اسکے بعد تک وائرسز کی اقسام بہت ہی پیچیدہ ہوگئی.

§§§

بھوت

مصنف: علی احمد

قدیم گرجا گھر کی اونچی اونچی دیواروں پر بہت سے تراشیدہ پتھر رکھے ہوئے، ان میں سے کچھ فرشتوں کے مجسمے تھے، کچھ پادریوں اور بادشاہوں کے اور کچھ پاکیزہ شخصیات کے ۔ گرجا گھر کے ایک کونے میں ایک بدرنگ اور بے ڈھنکا پتھر پڑا تھا ،جس پر نہ کوئی تاج بنا ہوا تھا ،نہ ہی اس کی کوئی شکل و صورت سمجھ آرہی تھی۔ گرجا گھر میں رہنے والے موٹے نیلے کبوتروں نے سمجھا کہ شاید کوئی بھوت ہے مگر مذہبی رسومات کے انچارج کوے نے انہیں بتایا کہ یہ ایک گم شدہ رُوح ہے۔سردیوں کا کوئی دِن تھا،گرجا گھر کے چھت پر ایک سریلی آواز والے پرندے کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی ،جو سخت سردی کے باعث دھوپ تلاش کرتا ہوا گرجا گھر کی باڑ پر آبیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ معصوم پرندہ ایک فرشتے کے مجسمے پر آبیٹھا، وہ چاہتا تھا کہ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد یہاں گھونسلا بنالے۔

گرجا گھر میں موجود چڑیوں اور کبوتروں نے اسے وہاں رہنے سے روک دیا اوراس قدر شور مچایا کہ اسے وہ جگہ چھوڑنا پڑی۔معصوم پرندہ وہاں سے اڑکر، گم شدہ رُوح کی تصویر والے بدصورت پتھر پر جابیٹھا اور اسے ہی پناہ گاہ بنالیا۔ گرجا گھر کے کبوتر اس پتھر کو محفوظ جگہ نہیں سمجھتے تھے ،کیونکہ ایک تو وہ گمنام سے کونے میں پڑا تھا دوسرا ،اس پر ہر وقت گہرا سایہ موجود رہتا تھا۔ گم شدہ روح کا مجسمہ اگرچہ بدرنگ تھا اور اس کے بازو اس طرح کھلے ہوئے بنے تھے جیسے وہ اپنے دشمن کو للکار رہا ہو، لیکن اس سے کسی کو کوئی تکلیف نہ تھی، معصوم پرندہ وہیں رہنے لگا۔ وہ روزانہ خاموش مجسمے کے اوپر چڑھ جاتا اور خوابوں میں کھوئے دوسرے مجسموں کو دیکھتا رہتا، معصوم اور کمزور پرندے کے لیے یہ واحد محفوظ پناہ گاہ تھی اور وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا، روزانہ وقفے وقفے سے مجسمے کے اوپر بیٹھتا، کبھی قریبی ستون پر چڑھ جاتا اور مجسمے کی محبت اور پناہ دینے کے لیے شکریہ کے طور پر گیت گاتا رہتا۔ یہ بدصورت پتھر کے لیے خوشی کے دن تھے کیونکہ اس کا مہمان پرندہ روزانہ وہاں چہکتا، ہر روز سریلی آواز میں گیت گاتا، شام کو گرجا گھر کی گھنٹی بجتی تو چرگاڈر رینگتے ہوئے آہستگی سے اپنے گھروں سے نکل آتے اور پرندہ گیت گاتا رہتا۔

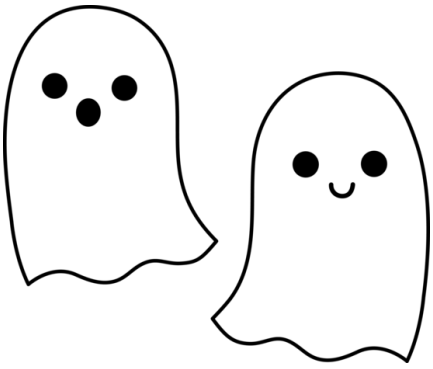

یہ موسم کی تبدیلی تھی یا طوفانی بارشوں کا اثر یا کوئی وجہ تھی کہ بدصورت پتھر کی سختی اور اس کی شکل میں خوشگوار تبدیلی آرہی تھی۔گرجا گھر کی چھت پر خوبصورت نغمے سناتے پرندے کی آواز سب کو پسند تھی مگر وہ اس پر افسوس کرتے یہ آواز ہمیشہ رہنے والی نہیں، یہ خوبصورت گیت ختم ہوجائیں گے اور گرجا گھر کی دیواریں معصوم پرندے کو بھول جائیں گی۔ گرجا گھر کے مکینوں نے ،ایک دن معصوم پرندے کو پنجرے میں قید کرکے گرجا گھر کے باہر فروخت کرنے کے لیے رکھ دیاتاکہ کچھ معاشی فائدہ حاصل کیا جاسکے۔ وہ رات معصوم پرندے پر بہت بھاری تھی ،جو اس نے اپنے ٹھکانے سے دور گزاری۔اِدھر بدصورت پتھر پریشان ہوا کہ پرندہ واپس کیوں نہیں آیا، اس نے سوچا شاید اسے بلی کھاگئی ہے یا پھر کسی نے پتھر مارکے زخمی کردیا ہے، مہمان پرندے کے بغیر گم شدہ رُوح کے بدصورت مجسمے کو پہلی تنہائی کا شدید احساس ہوا۔

صبح سویرے جب گرجا گھر کی چڑیوں کا شور اٹھا اور لوگوں کی چہل پہل شروع ہوئی تو اسے معصوم پرندہ بہت یاد آیا، جب کبوتر گرجا گھر کو اونچی دیواروں کے کنگروں پر بیٹھتے اور چڑیاں چہکتیں تو اس کے کانوں میں معصوم پرندے کے گیت گونجنے لگتے۔

گم شدہ رُوح کا مجسمہ بہت اُداس او رغمزدہ تھا۔ کبوتر کھاتے وقت ہمیشہ اس معصوم پرندے کا ذکر کرتے اور کہتے کہ وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ شدید سردی کے ایک دن اور کبوتر چڑیوں کے ساتھ گرجا گھر کی چھت خوراک کے لیے پریشان بیٹھے تھے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ کوئی اپنا بچا ہوا کھانا چھت پر پھینکے تاکہ ان کی بھوک مٹ سکے، وہ اکثر سردیوں میں اسی طرح گزارہ کرتے تھے، اس دوران میں ایک کبوتر نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ کیا کچرے کے ڈھیر پر کوئی کھانے کی چیز پھینکی گئی ہے، جواب میں کبوتر کو بتایا گیا کہ نہیں، وہاں صرف ایک مردہ پرندے کو پھینکا گیا ہے۔

رات گئے گرجا گھر کی چھت پر کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی تو مذہبی رسومات کے انچار ج کوے نے کہا کہ گرجا گھر کے کنگرے مدتوں سے موسم سرما کی شدت برداشت کررہے ہیں ، برفباری اور کہرے کے سبب ان کی حالت خراب ہے، شاید کوئی حصہ ٹوٹ گیا ہو۔ اگلی صبح گم شدہ رُوح کا مجسمہ اپنی جگہ موجود نہ پا کر کبوتروں نے اطمینان کا سانس لیا انہوں نے فیصلہ کیاکہ اب یہاں کسی اور فرشتے کا مجسمہ نصب کیا جائے گا، گم شدہ رُوح کے مجسمے کوکسی نے توڑ کر باہر پھینک دیاتھا۔

§§§

جنید جمشید دلوں میں زندہ رہے گا

مصنف: علی احمد

دنیا میں انسان کا ٹھیکانہ عارضی ہے دنیا میں مو جو د ہر ایک چیز کا وجود عارضی ہے اور وہ فا نی ہے اور مو ت اٹل ہے جس کو دنیا کی کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی ہے موت نے ایک نہ ایک ہمیں گلے لگا نا ہے اور ہم پھر اس جہاں فانی سے کو چ کرجانا ہے موت کے بعد کو ئی لو ٹ کر واپس نہیں آتا ہے اور جب مو ت کا وقت آتاہے توایک پل کی مہلت نہیں دیتا اور فرشتہ پل میں روح قبض کر پرواز کر جاتا ہے اس دنیا میں ہمیں اپنے آنے والے پل کی بھی خبر نہیں کمکس پل موت گلے لگا تی ہے انسان اس عارضی مکاں کو سب کچھ تصور کرلیتا ہے انسان کو بھلا کو ن سمجھے کہ کسی سواری کا مسافر منزل کو لوٹ جاتا ہے ناکہ اس سواری کو اپنی منز ل تصورکر لیتا ہے جب انسان اس دنیا کو اپنی راحت آسائش سمجھتا ہے اور یہ بھو ل جا تا ہے کر کے وہ تو چند سانسیں ادھار لے کر آیا ہے اور دنیا بنانے کی مستی میں مست ہو کر بہت دور چلا جا تا ہے اسے پیچھے مڑ کر دیکھناایسا لگتا ہے کہ اس کی بر بادی ہے اگر وہ اس دنیا کی بلندی شہرت دولت چھوڑے تو کیسے چھوڑجس کے لئے اس نے اتنا طویل سفر طے کیا ہے اور وہ اپنی واپسی کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہے اگر کچھ دیر کے لئے اپنی ذات کا جا ئزہ لیں یا معاشرے میں اپنے ارد گرد نظر دوڑیں تو ایسے افراد سے دنیا بھری پڑی ہے جنہوں نے اپنی منزل تو پا لی پر راستے کے چنا ؤ میں غلطی کر بیٹھے پر ایک بڑی فتح اور کا میا بی کے بعد احساس ہو کہ غلط راستے پر چل کر آئے ہیں تو اس دولت عزت شہرت نے واپسی پر اٹھتے قدموں میں بیڑیاں ڈال دیں اور واپسی کی جانب اٹھتے قدموں کو تھمنے پر مجبور کر دیا پھر جو لوگ ان بیڑیوں کے آگے بے بس ہو جاتے ہیں تو وہ ساری حیاتی اس کنو ائیں میں غرق رہتے ہیں پر کچھ ایسے بھی با ہمت ہو تے ہیں جب وہ اس شہرت دولت والی منزل کے قریب ہوتے ہیں یا منزل پا چکے ہوتے ہیں توان کے ضمیر کو ملنے والی اللہ کی جا نب ہدایت کو اس منز ل سے منہ مو ڑنے پر مجبور کر دیتی ہے اور وہی ہدایت ان بیڑیوں کو توڑکر اس رائے حق پر لے آتی ہے جس سے شاید وہ اب تک غافل تھا -

جنید جمشید بھی انہی انسانوں میں سے ایک تھے جو اس ہدایت کو منزل کی پہلی سیڑھی سمجھتے ہو ئے اس خد ا واحد لاشریک کی راہ پر میں نکل پڑا جس نے اپنی کئی سالوں کی محنت کے بعدحاصل ہو نے والی منزل کو پل میں ٹھکرا کر اس حقیقی سفرمیں راخت سفرباندھا جس پر چلنے کے لئے اللہ پاک اپنے پیاروں نوازتا ہے اس بات سے ہم انکار نہیں سکتے کہ جنید جمشید نے زندگی میں جو بھی کا م کیا وہ انتہا تک کیا اور خوب محنت اور لگن سے کیا جس میں وہ پختہ ارادے سے ڈٹ کراس کام کو سرانجام دیتے تھے اس نے موسیقی کے فن کا آغاز ہی دل سے کیا جس میں اس کے سر سے نکلا پہلا لفظ ہی دل دل پا کستا ن تھا جو ایک سچا حب الوطن ہی کر سکتا ہے جنید جمشید 1964 کو جب کپٹین اکبرخان جندی کے گھر کر اچی میں پیدا ہوا ہو گا تو اس وقت کو ئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا ہو گا کہ یہ بچہ ایک دن اتنا عظیم ہو جا ئے گا کہ اپنے آپ کو رہتی دنیا میں امر کر جا ئے گا جنید جمشید کے والد ائر فورس میں کپیٹن تھے توفوج سے نسبت کی وجہ سے وہ اپنے بیٹے کو ائر فورس میں پا ئلٹ بنا نا چاہتے تھے اس مقصد کے لئے جنید جمشید نے لاہور کی یو نیو رسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنا لو جی سے ٹیکنکل انجینئرکی ڈگری حاصل کی اور بعد میں پاکستان ائر فورس میں سویلین کنٹر یکٹر کے طور پر ملازمت حا صل کی جب 1983 میں پہلی مر تبہ جنید جمشید نے راک سنگر کے طور پر یو یونورسٹی میں میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا تو شرکاء نے بہت پسند کیا پھر دوستوں کے ساتھ مل کر ایک میو زیکل گروپ بنایا کچھ سا لوں کی محنت رنگ لے آئی اور 14اگست 1987 ء کو پا کستان کے یو م آزادی کے دن وطن سے محبت کا اظہار'' دل دل پا کستا ن جا ن جان پا کستا ن'' جیسے سدا بہار ملی نغمے سے کیا وہ ملی نغمہ اتنا مشہور ہو ا کہ اس وقت لے کر اب تک عوام میں مقبول ہے جو اب بھی دنیا کے بہترین قومی نغموں کی فہرست میں دوسرے نمبر پر ہے جنید جمشید کا وائٹل سائنس گروپ مسلسل کا میابیوں کی وجہ سے چھا یا رہا جنید جمشید نے اپنی صلاحتوں سے پاکستا ن میں پا پ میو زک کو بام عروج بخشا 1994 ء میں جنید جمشید نے اپنا پہلا سولو البم نکالا جس نے آتے ہی پا کستا ن کے علاوہ پوری دنیا میں دھو م مچا دی یہ جنید جمشید کی زندگی کا عروج تھا-

پر جنید جمشید اتنی شہرت پا نے کے بعد بھی اپنی زندگی سے مطمئن نہ تھے اور ہمیشہ اس چیز کو محسوس کر تے تھے کے ان کی زندگی میں کسی چیز کی کمی ہے انہوں نے کچھ سال قبل ایک ٹی وی پروگرام میں بتایا تھاجب وہ گلو کاری کے فن میں عروج پر تھے وہ گھٹن محسوس کر تے تھے اور اپنی زندگی کو کسی کمی کی وجہ سے ادھورا سمجھتے تھے شاید یہ گھٹن یہ غیر مطمئن ہو نے کی کیفیت اور تڑپ وہ ہد ایت تھی جو ان کے دل میں کسی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ہلکی سی روشنی محسوس کی جا تی ہے ایسی ہلکی اور دھمی روشنی جو ایک اندھیرے کے اختتام اور روشنی کی ابتداء کے درمیا ن ہوتی ہے جس کو دیکھا تو نہیں جاتا سکتا پر محسوس کیا جاسکتا ہے کہ اب اندھیرا اپنے انجام کو پہنچ رہا ہے جنید جمشید نے اس ہدایت کی اس دھمی روشنی کو اپنی شہرت اور بلندی کے اندھرے میں ڈوبنے نہیں دیا بلکہ اس روشنی کی کھوج لگانا شروع کر دی آخر اس ہلکی اور دھمی روشنی کی آمد کدھر سے ہے پر اس با ت کا اندازہ جنید جمشید کو بھی نہ ہو گا کہ اس ہلکی مد ھم روشنی جس کے پیچھے وہ چل پڑا ہے اس کو ایک دن ایسے روشن دن میں لے آئے گی جس سے اس کی دنیا اور آخر سنور جا ئے گی-

مو لانا طارق جمیل سے ہو نے والی اتفاقیہ ملاقات نے جنید جمشیدکی دنیا بدل دی پھر وہ اچا نک مو سیقی کی دنیا کو خیر باد کہے کر خیر کے راستے چل پڑے اور گھر کے قریب واقع مسجد کے دروازے پر دستک دینے کے بعد اس نے جو لذت خدا کی راہ میں نکل کر پائی جس کی کمی وہ ہمیشہ محسوس کرتا تھا 2004ء کے بعد جنید جمشید تبلیغی جماعت سے وابستہ ہو گئے اچانک اپنا پیشہ جس کی بنیاد پر ان کو عزت شہرت ملی تھی چھو ڑ کر پر یشا نی تو ہو ئی اپنے پر ائے کی طرف سے تنقید کے نشتر بھی چلائے گئے لیکن خدا کا بند سجدے کی لذت کو پا چکا تھا جس تنقید کے نشتربے اثر ثا بت ہو رہے تھے پر جنید جمشید نے ہمت نہ ہا ری اور اس لگن میں جے جے کے نام سے اپنا کاروبار شروع کیا جس کو جاری وساری رکھا جو دنیا میں فیشن برائینڈ بن گیا جس کے آوٹ لٹ پورے پا کستان میں تھے جنید جمشید مسلسل تبلیغ کی راہ میں چلتے رہے کیونکہ ماضی میں جس غفلت کی اذیت سے وہ گز رتا رہا ہے وہ ہی اس کو اچھے طر یقے سے محسوس کر سکتا ہے اس احساس کو لے کر وہ تبلیغ کر راہ پر نکل پڑتا تھا اور اپنے مسلما ن بھا ئیوں کی خدا کی راہ پر لا نے کی جستجو کر تا رہا جنید جمشید میں خلق خدا سے محبت کا جذبہ بلند تھا وہ ایک طرف اپنے مسلما ن بھائیوں کی آخرت سنوارنے کے لئے تبلیغ کر تا اور ساتھ ہی غریب نادار مفلس بھا ئیوں کی امداد کرتاتھاٹی وی پروگراموں کے ذریعے فلاح کا درس دیتا تھا اس نے موسیقی چھوڑی تو حمد ثناء اور نعتیں پڑھنا شروع کردی کبھی انسا نیت کے درس میں ڈوب کر خدمت انسانیت میں ڈٹ جاتے اور گلیوں کے کچرے صفاف کرنے کی مہم میں لگ جا تے اعلٰی اخلاق کا پیکر محبتیں با نٹنے والا جنید جمشید بچوں بڑوں مردوں عورتوں جوا نوں اور بزرگوں سب میں مقبول تھا جس کی وجہ سے دنیا میں 500با اثر مسلما نوں کی شخصیات میں ان کا نا م شا مل تھا

جنید جمشید تما م طبقات میں مقبول تھے جس کی وجہ سے ان کادینی علماء کے علاوہ ادکاروں کھلاڑیوں ٹی وی انیکروں صحافیوں سیاست دانوں سب میں میل جول بہت اچھا تھا جس طرف بھی جاتے سب میں گھول مل جا تے مذہبی اور لبرل طبقے میں ایک پل کا کردار ادا کرتے تھے جس سے وہ درس تبلیغ اس لبرل طبقے تک لے جا تے تھے جب 7دسمبر کو ان کی اچانک فضائی حادثے سبب موت پر ہر آنکھ اشک بار تھی ہر دل غم ذدہ تھا ہر چہرے پر اداسی چھا ئی ہو ئی تھی جس دن جنید جمشیدکی نما ز جنا ز ہ اداکی گئی ااورو تدفین کی گئی تواس دن جنید جمشید کے جنازے کو دیکھ کر رشک آرہا تھا اورہر مسلمان کے دل میں ایسی ہی خواہش پیدا ہو ر ہی ہو گی یا للہ ایسی دھوم دھام سے اس دنیا سے رخصتی تو اپنے پیا رے بند وں کو عطاء کرتا ہے ہمیں بھی اپنے ان پیارے بند وں میں شا مل فر ما ۔

پر بند پیارا تب بنتا ہے جب وہ اللہ کی راہ میں نکل پڑتا ہے پھر اس راہ میں دولت شہرت سب کو اس راہ میں ٹھکر ا کر آگے بڑھتا جاتا ہے اور وہ بندہ خدا پھر انسا نیت سے پیار بھی کر تا اور غم خارو ں کا غم با نٹتا ہے تب جا کر کہیں اس کو ایسی ہی دنیا سے رخصتی نصیب ہوتی ہے پھر مرنے کے بعد بھی وہ انسان دلوں میں زندہ رہتا ہے جسے آج جنید جمشیددلوں میں زندہ ہے

§§§

فن کی دنیا میں وحید مراد کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا

مصنف: سفیان خان

پاکستان کے مقبول ترین فلمی ہیرو،لولی ووڈ کے پہلے سپر اسٹار عظیم اداکار وحید مراد (مرحوم) کا نام فلمی دنیا سے دلچسپی رکھنے والے کسی بھی فر د کے لیئے تعارف کا محتاج نہیں ہے ،لولی ووڈ فلم انڈسٹری کی تاریخ وحیدمراد کے تذکرے کے بغیر ادھوری ہی سمجھی جائے گی ۔وحیدمرا د کے فن وشخصیت پر ان کی زندگی میں بھی بہت کچھ لکھا گیااور مرنے کے بعد بھی ان کے بارے میں اتنا کچھ لکھاگیااور شائع کیا گیا کہ کم از کم پاکستان میں ایسی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔بعد ازمرگ مقبولیت کا جو منفرد ریکارڈ وحیدمرادنے قائم کیااس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اچھا اور سچا فنکار کبھی نہیں مرتا ،اس کا کام اس کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھتا ہے۔

وحیدمراد سے جومحبت و عقیدت ان کے مداحوں کو تھی اور ہے اس کی نظیر دو رحاضر میں ملناناممکن ہے۔ وحید مراد کے مداحوں نے وحیدمراد سے اپنی بے لوث اور سچی محبت کی جو روشن مثال قائم کی ہے اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گااور یہ حقیقت ہے کہ وحیدمراد کے نام کو ان کے شاندار کام،منفرد اسٹائل اور ان کے مداحوں کی چاہت نے زندہ رکھاہے ورنہ پاکستان کی فلم انڈسٹری میں کتنے ہی بڑے فنکار آئے اور کامیاب بھی ہوئے لیکن وہ شہرت کی اس معراج کو نہیں چھو سکے جووحیدمراد کو ملی۔

سنتوش کمار ،درپن ،سلطان راہی،محمد علی،اقبال حسن، منورظریف، اسلم پرویز، رنگیلا، ننھااور علی اعجاز جیسے کتنے ہی فنکاروں نے مقبولیت اورکامیابی حاصل کی لیکن انہیں انتقال کر جانے کے کچھ ہی عرصہ بعد بھلا دیا گیا جبکہ وحیدمراد کا انتقال 23 نومبر1983 کوہوا تھا اور اب جبکہ ملک بھر میں 23 نومبر کو ان کی 33 ویں برسی منائی جارہی ہے لیکن اس طویل عرصہ میں وحیدمراد ہی وہ واحد پاکستانی اداکار ہیں جن کے مداح ان کی برسی کادن ہر سال مناتے ہیں اور اس موقع پر ان کے لیئے قرآن خوانی کااہتمام کرکے ایثال ثواب کے لیئے دعا کی جاتی ہے۔

پاکستان کے مایہ ء ناز اداکار وحیدمراد (مرحوم)کے انتقال کو33سال ہوچکے ہیں لیکن انہیں آج بھی اس طرح یاد کیاجاتا ہے کہ جیسے وہ زندہ ہوں،ان کی شہرت اور مقبولیت میں وقت گزرنے کے ساتھ کمی نہیں آئی بلکہ بعد از مرگ جو مقبولیت اور چاہت وحیدمراد کو ملی ،شاید ہی ایسی مقبولیت کسی اور فنکار کو نصیب ہوئی ہوکم ازکم لولی ووڈ کا کوئی بھی فنکار اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ وحیدمراد سے زیادہ مقبول ہے ،وحید مراد کو نہ صرف پاکستان کا پہلا سپر اسٹار ہونے کا اعزاز حاصل ہے بلکہ وہ تقریباًتمام پاکستانی فنکاروں کے بھی پسندیدہ فنکار ہیں۔

وحیدمراد، 2 ۔اکتوبر1938 بروزبدھ کراچی میں نامور فلمساز ادارے ''فلم آرٹس '' کے روح روں فلم پروڈیوسر اور ڈسٹری بیوٹر نثا ر مراد کے گھر پیدا ہوئے ،وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے اس لیئے بچپن سے ہی بہت لاڈلے تھے۔ ان کے گھرانے کا شمار پاکستان کے بہت امیر اور باعزت خاندانوں میں ہوتا تھاان کی والدہ شیریں مراد اور والد نثار مراد دونوں ہی وحیدمراد سے بہت زیادہ پیار کیا کرتے تھے ۔وحیدمراد نے ابتدئی تعلیم کراچی میں صدر کے علاقے میں واقع مشہور اسکول ''میری کلاسو''میں حاصل کی اور یہیں سے انہوں نے 1952 میں میٹرک کا امتحان پاس کیااس کے بعد انہوں نے ایس ایم سائنس کالج سے بی اے کیااورپھر 1968 میں جامعہ کراچی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

وحیدمراد کی شادی ایک اعلیٰ خاندان کی لڑکی سلمٰی بیگم سے 17 ستمبر 1964 بروز جمعرات وحیدمراد کی طارق روڈ کراچی میں واقع کوٹھی پر ہوئی اس تقریب کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس شادی میں اداکار ندیم نے گانے سنائے ،واضح رہے کہ اس زمانے میں ندیم ادا کار نہیں بنے تھے بلکہ ایک گلوکار کے طور پر شوقیہ گانے گایا کرتے تھے ۔وحیدمر اد کے دو بچے ہیں ایک بیٹی عالیہ مراد جو23 دسمبر1969 کو پیدا ہوئی اور ایک بیٹا عادل مراد جو13 نومبر 1976 کو پیدا ہوا۔وحیدمرا د کی بیٹی عالیہ مراد کی شادی 12فروری 1987 کوجناب سید سجاد حسین شاہ کے ساتھ بخیروخوبی انجام پائی ۔وحیدمراد 1969 تک کراچی میں مقیم رہے لیکن جب پوری فلم انڈسٹری نے لاہورکو اپنا مرکز بنا لیا تو وحیدمراد بھی اپنی فیملی کے ہمراہ لاہور شفٹ ہوگئے لیکن انہوں نے کراچی میں بھی دو فلیٹ ''سدکو ایونیو'' نزد کراچی پریس کلب خرید رکھے تھے جہاں انہوں نے اپنی زندگی کے آخری دن گزارے۔

وحیدمراد نے اپنے فلمی کیرئیر میں کل 126 فلموں میں کام کیا جن میں زیادہ تر فلمیں اردو تھیں ان کے کریڈٹ پر پلاٹینم جوبلی،گولڈن جوبلی اور سلور جوبلی کی بے شار فلمیں ہیں لیکن انہیں پنجابی فلموں میں بھی کافی پسند کیا گیا انہوں نے9 پنجابی فلموں میں کام کیااور ایک پنجابی فلم''مستانہ ماہی'' خود بھی پروڈیوس کی انہوں نے صرف ایک پشتوفلم''پختون پہ ولایت کنہ'' میں کام کیا جو درحقیقت وحیدمراد اور آصف خان کی کامیاب اردوفلم''کالا دھندا گورے لوگ '' کا پشتو ورژن تھی۔ان کی ایک فلم''شبانہ '' نے ڈائمنڈ جوبلی منائی۔

وحیدمراد کی ذاتی فلم ''ہیرو'' تکمیل کے آخری مراحل میں تھی کہ فلم ہیرو کا ہیرو اس دنیا سے چل بسا۔وحیدمراد کی بطور اداکار پہلی فلم''اولاد''1962 میں ریلیز ہوئی جبکہ ان کی زندگی میں ریلیز ہونے والی آخری فلم''مانگ میری بھر دو'' تھی جو1983 میں ہی ریلیز ہوئی جبکہ دو فلمیں''ہیرو'' اور فلم''زلزلہ'' ان کے انتقا ل کے بعد ریلیز کی گئیں۔فلم ہیرو11 جنوری 1985 کو ریلیز ہوئی جبکہ فلم زلزلہ3 مارچ 1987 کو ریلیز ہوئی جبکہ ان کی دو فلمیں مکمل ہونے کے باوجود آج تک ریلیز نہ ہو سکیں جن میں فلم''ہم بھی توپڑے ہیں راہوں میں'' اور فلم'' میرے جیون ساتھی'' شامل ہیں۔وحیدمراد نے اپنی23 سالہ فلمی زندگی میں عمدہ کردار نگاری پر 32 ،ایوارڈ حاصل کیئے جن میں4 نگار ایوارڈ بھی شامل ہیں۔

وحیدمراد کی بطور اداکار پہلی فلم''اولاد''1962 میں ریلیز ہوئی جبکہ ان کی زندگی میں ریلیز ہونے والی آخری فلم''مانگ میری بھر دو'' تھی جو1983 میں ہی ریلیز ہوئی جبکہ دو فلمیں''ہیرو'' اور فلم''زلزلہ'' ان کے انتقا ل کے بعد ریلیز کی گئیں۔فلم ہیرو11 جنوری 1985 کو ریلیز ہوئی جبکہ فلم زلزلہ3 مارچ 1987 کو ریلیز ہوئی جبکہ ان کی دو فلمیں مکمل ہونے کے باوجود آج تک ریلیز نہ ہو سکیں جن میں فلم''ہم بھی توپڑے ہیں راہوں میں'' اور فلم'' میرے جیون ساتھی'' شامل ہیں۔

وحیدمرا د کی بطور اداکار پہلی فلم''اولاد'' تھی اور بطور ہیرو پہلی فلم''ہیرا اور پتھر '' تھی جبکہ ان کی آخری ریلز شدہ فلم ''زلزلہ '' تھی جو ان کے انتقال کے کئی سال بعد ریلیز ہوئی۔انہوں نے اپنے انتقال سے قبل جن فلموں کی شوٹنگ میں حصہ لیا ان میں ان کی ذاتی فلم''ہیرو''کے علاوہ بھی کئی فلمیں شامل تھیں لیکن ان تمام زیرتکمیل فلموں میں سے صرف فلم''ہیرو '' ہی ریلیز ہو سکی اس فلم میں وحیدمراد کی کئی زیرتکمیل ادھوری فلموں کے سین بھی ڈالے گئے کیونکہ جس وقت وحیدمراد کا انتقال ہوا فلم ''ہیرو'' کی فلمبندی مکمل نہیں ہوئی تھی اور ایک گانا اور کچھ سین باقی تھے جن کو فلمانے کا موقع وحیدمراد کو نہ مل سکا۔فلم ہیرو بھی وحیدمراد کے انتقال کے کئی سال بعد ریلیز ہوئی اس فلم کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس فلم میں

وحیدمراد کے بیٹے عادل مراد بھی چائیلڈ اسٹار کے طور پر ایک مختصر کردار ادا کرکے اداکاروں کی فہرست میں شامل ہوگئے ۔
وحیدمراد کی بطور فلمساز اور اداکار نمایاں فنی کارکردگی ،منفرد اسٹائل،سونگ پکچرائیزیشن اور بے مثال مقبولیت کی وجہ سے ان کو بہت پہلے ہی پرائیڈآف پرفارمنس مل جانا چاہیئے تھا لیکن ان کے انتقال کو ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعدسابق صدرپاکستان آصف علی زرداری نے 2010 میں وحیدمراد کوبعد از مرگ'' تمغہ امتیاز ''کا اعزاز عطا فرماکروحیدمراد کے لاکھوں مداحوں کا دیرینہ مطالبہ پورا کرکے ان کے دل جیت لیئے۔یہ ایوارڈ ایک پر وقار تقریب میں وحیدمراد مرحوم کی بیوہ سلمٰی مراد نے اس وقت کے صدر پاکستان سے وصول کیا۔واضح رہے کہ صدر پاکستان کی کرسی پرفائز رہنے والے آصف علی زرداری ماضی میں ایک فلم'' سالگرہ '' میں وحیدمراد کے بچپن کا کردار بھی اداکرچکے ہیں۔
پاکستان کے پہلے سپر اسٹاروحیدمراد کا شمار فلم انڈسٹری کے سب سے زیادہ پڑھے لکھے اداکاروں میں ہوتا تھا ،انہوں نے پاکستانی فلموں میں اپنے کیریئر کا آغاز ایک فلمساز کے طور پر1960 میں کیا اوربطورفلمساز 12 فلمیں پروڈیوس کیں جن میں سے 4فلموں کی کہانیاں بھی انہوں نے خود تحریر کیں جبکہ اپنی ذاتی فلم ''اشارہ '' کی ہدایتکاری بھی کی اور اسی فلم میں ایک گانا بھی بطور گلوکار انہوں نے گایا،بطور فلمساز ان کی پہلی فلم''انسان بدلتا ہے''تھی جس کے بعد انہوں نے فلم پروڈیوسر کی حیثیت سے اپنی دوسری فلم ''جب سے دیکھا ہے تمہیں '' بنائی اس کے علاوہ وحیدمراد نے بطور فلمساز ایک پنجابی فلم''مستانہ ماہی '' بھی پروڈیوس کی جس کے ہیرو بھی یہ خود ہی تھے۔
گنڈاسہ کلچر پر مبنی فلموں کے دور میں انہوں نے ایک صاف ستھر ی رومانی پنجابی فلم ''مستانہ ماہی ''بنا کرفلموں کا ٹرینڈ بدلاان کی پہلی ہی پنجابی فلم نے سپر ہٹ کامیابی حاصل کرکے ان کو اردو فلموں کے ساتھ ساتھ پنجابی فلمو ں کا بھی کامیاب اداکار بنا دیا جس کے بعد ان کو متعدد پنجابی فلمو ں میں کاسٹ کیا گیا۔فلمساز کی حیثیت سے اپنی بنائی ہوئی ابتدائی دونوں فلموں''فلم جب سے دیکھا ہے تمہیں اورفلم انسان بدلتا ہے'' میں یہ خود ہیرو نہیں آئے بلکہ انہوں نے اپنی ان دونوں فلموں میں اداکار درپن کو ہیر و لیا تھا،وہ صرف ان فلموں کے پروڈیوسر تھے لیکن بطور فلمساز ان دونوں فلموں کی تکمیل کے دوران انہیں اداکار درپن نے بہت زیادہ پریشان کیا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے فلمساز کی حیثیت سے جب اپنی تیسری فلم ''ہیرا اور پتھر '' شروع کی تو اس فلم کے لیئے انہوں نے کسی دوسرے ہیرو کو کاسٹ کرنے کے لیئے سوچنا شروع کیا اسی دوران ان کے قریبی دوستوں نے ان کو مشورہ دیا کہ چونکہ وہ خود بھی اسمارٹ اور خوبصورت ہیں لہذا وہ اس فلم میں خود ہی ہیرو کا کرداراداکریں۔

یہ بات وحیدمراد کے دل کو بھائی اور بطورفلمساز انہوں نے اپنی تیسری فلم ''ہیرا اور پتھر''میں ہیرو کا کردار ادا کرنے کافیصلہ کیا اور اس فلم میں نہ صرف وہ خود ہیرو آئے بلکہ اپنے دوستوں کو بھی اس فلم کے ذریعے فلمی دنیا میں متعارف کروایاجن میں ہدایتکار پرویز ملک،موسیقار سہیل رانا،نغمہ نگار مسرور انور،تدوین کار ایم عقیل خان اور کئی نئے فنکارشامل تھے ،فلم ''ہیراور پتھر'' کی شاندار کامیابی نے نہ صرف وحیدمراد کو فلمی ہیرو بناڈالا بلکہ فلم انڈسٹری کو کئی ایسے نامور فنکار دیے جنہوں نے آگے جاکر بڑا نام اور مقام پیدا کیا۔
1961 میں وحیدمراد کوہدایتکارایس ایم یوسف نے اپنی فلم ''اولاد'' میں ایک اہم رول میں پہلی بار کاسٹ کیا اور یوں بطور اداکار وحیدمراد کی پہلی فلم ''اولاد''اگست 1962 میں ریلیز ہوئی اور 50 ہفتے چل کرگولڈن جوبلی کرنے کا اعزازحاصل کیالیکن وحیدمراد کو اصل شہرت اور کامیابی اپنی ذاتی فلم ''ہیرا اور پتھر'' سے ملی جس میں انہوں نے پہلی بار بطور ہیرو کام کیا اور بہت پسند کیئے گئے،یہ فلم4 دسمبر1964 میں ریلیز ہوکر شاندار کامیابی سے ہمکنا رہوئی اس فلم میں وحیدمراد کی ہیروئن اداکارہ زیبا تھیں،اس فلم کی کامیابی سے لولی ووڈ کو ایک اسیا اسٹائلش رومانی ہیرو مل گیا جس نے آگے چل کر پاکستان فلم انڈسٹری کا نام دنیا بھر میں مشہور کیا۔وحیدمرا د کو پاکستان کی پہلی پلاٹینم جوبلی فلم''ارمان'' کا مصنف،فلمساز اور ہیرو ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے یہ فلم 1965 میں ریلیز ہوئی اس فلم میں بھی وحیدمراد کی ہیروئن اداکارہ زیبا تھیں۔
فلم ہیرا اور پتھر کے بعد فلم ارمان کی فقیدالمثال کامیابی سے وحیدمراد اور زیبا کی فلمی جوڑی راتوں رات سپرہٹ ہوگئی اور ان دونوں کا نام ہی فلموں کی کامیابی کی ضمانت بن گیااور ان دونوں کو متعدد فلموں میں ایک ساتھ کاسٹ کیا گیاجن میں سے تقریباً تمام ہی فلمیں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں جبکہ انہوں نے متعدد فلموں میں اداکارہ روزینہ، اداکارہ دیبا اور اداکارہ نشو کے ہمراہ ہیرو کا کردار ادا کرکے کامیابی بھی حاصل کی لیکن وہ چاہتے تھے کہ کسی ایسی اداکارہ کے ساتھ اپنی جوڑی بنائیں جو زیبا کا نعم البدل ثابت ہوسکے چنانچہ انہوں نے بنگلہ دیش (سابقہ مشرقی پاکستان)کی فلموں میں کام کرنے والی ایک اداکارہ شبنم کو مغربی پاکستان بلاکر اپنی ذاتی فلم ''سمندر '' میں اپنے ساتھ بطور ہیروئن کاسٹ کیااور ان کا یہ تجربہ بہت کامیاب ثابت ہوا فلم سمندر نے بھی سپر ہٹ کامیابی حاصل کی اور یوں ان کی جوڑی اداکارہ شبنم کے ساتھ بھی ہٹ ہوگئی جس کے نتیجے میں ان دونوں کی متعدد فلموں نے سپرہٹ کامیابی حاصل کی جن میں خاص طور پر فلم عندلیب،بندگی،نصیب اپنااور لاڈلا جیسی فلمیں شامل ہیں جن کو آج بھی شوق سے دیکھا جاتا ہے۔
بہت سے لوگوں کو وحیدمراد نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایاتھا ،شبنم کو مغربی پاکستان میں وحیدمراد نے ہی انٹروڈیوس

کروایا،پرویز ملک ،سہیل رعنا اور مسرور انورکو فلمی دنیا میں متعارف کروانے اور بام عروج پر پہچانے والا وحیدمراد اپنے ہی دوستوں کی بے رخی اور احسان فراموشی کا شکار ہوا تو وہ یہ غم برداشت نہ کرسکااور چونکہ وہ ایک حساس دل رکھتا تھا اس لیئے وہ بہت زیادہ دلبرداشتہ ہوگیا جس کا اثر ان کی صحت پر بھی پڑا اوراسی دوران وحیدمراد کے والد نثار مراد کا بھی انتقال ہوگیا ،وحیدمراد اپنے والد سے بہت پیار کرتے تھے وہ اس صدمے کو برداشت نہ کرپائے اور شدید ڈپریشن کا شکار ہوگئے جس کی وجہ سے وہ دن بدن کمزور ہوتے چلے گئے اور آخری دنوں میں اسی ڈپریشن کی وجہ سے ان کے کئی ایکسیڈینٹ بھی ہوئے جن میں ان کے چہرے پر بھی زخم آئے جن کے علاج اور سرجری کے لیئے وہ کراچی آئے ہوئے تھے جہاں ان کے ساتھ صرف ان کا بیٹا عادل مراد موجودتھا جس کی عمر اس وقت صرف 13 سال تھی۔وحیدمراد کی وائف سلمٰی مراد اور ان کی بیٹی عالیہ مراد ان دنوں ہوسٹن امریکہ میں مقیم تھیں۔
اپنے انتقال سے چند روز قبل وہ کراچی میں پریس کلب کے قریب''سدکو ایونیو'' میں واقع اپنے ذاتی فلیٹ سے اپنی منہ بولی بہن بیگم ممتاز ایوب کے گھر منتقل ہوئے تھے ،انہوں نے انتقال سے 10 دن قبل اپنے بیٹے عادل مراد کی سالگرہ بھی بنائی تھی جس کے بعد وہ اپنے چہرے پرلگے ہوئے زخموں کی پلاسٹک سرجری کے لیئے سرجن سے ٹائم لے چکے تھے کہ 23 نومبر 1983 کو وہ کراچی میں اپنی منہ بولی بہن بیگم ممتاز ایوب کی رہائش گاہ پراچانک انتقال کرگئے اور ان کی وفات کے ساتھ ہی فلمی دنیا کے ایک سنہری دور کا خاتمہ ہوگیا،ان کے انتقال سے دو ہفتے قبل کراچی میں راقم الحروف نے ان سے'' سدکو ایونیو'' نزد کراچی پریس کلب میں واقع ان کے فلیٹ میں ان سے ملاقات کی تھی جس کے دوران ان کا پرانا ملازم سکندر بھی موجود تھا اس یادگار ملاقات میں وحیدمراد صاحب کو میں نے اپنے مضامین اور ان کی تصاویر پرمشتمل ایک البم بھی پیش کی جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے لیکن مجھے یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا کہ وہ وحیدمراد جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیئے لوگ بے قرار رہتے تھے اور جس کی خوبصورتی اوراسمارٹنس کے چرچے گھر گھر ہوا کرتے تھے اس ملاقات میں وہ کسی شاندار عمارت کا کھنڈر دکھائی دے رہا تھا،ڈپریشن اور مایوسی نے وحیدمراد کی خود اعتمادی اور قابل رشک جوانی کو دیمک کی طرح کھا لیا تھااور میں سمجھتا ہوں کہ یہی مایوسی اور ڈپریشن لاکھوں فلم بینوں کے پسندیدہ فنکار وحیدمراد کی موت کی وجہ بنا۔
وحیدمراد پاکستانی فلموں کے پہلے ڈانسنگ ہیرو اور پہلے سپر اسٹار تھے ان کے ہئیر اسٹائل ،چال ڈھال،لباس ،لب ولہجے،اداکاری اورخاص طر پر گانوں کی فلمبندی کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی جس کی وجہ سے ان کے اسٹائل کو نہ صر ف پاکستان بلکہ بھارت میں بھی عام لوگوں اور فلمی دنیا کے

نامور سپر اسٹارز نے کاپی کیا۔وحیدمراد پاکستان کے وہ واحد فنکار تھے جن کے مداحوں نے سب سے پہلے ان سے منسوب ایک فین کلب''آل پاکستان وحیدی کلب'' قائم کیاکسی بھی فنکار کے مداحوں کی جانب سے بنایا گیا۔

یہ پاکستا ن کا پہلا فین کلب تھا اس سے قبل پاکستان میں ایسی کوئی روایت نہیں تھی ،آل پاکستان وحیدی کلب کے علاوہ ان کے مداحوں نے آل پاکستان پرنس وحیدی کلب اور آل پاکستان وحیدمراد آرٹ سرکل جیسی فعال ثقافتی تنظیمیں قائم کیں جنہوں نے وحیدمراد کے نام اور کام کو زندہ رکھنے کے لیئے نمایاں خدمات انجام دیں۔وحیدمراد وہ پہلے پاکستانی اداکار تھے جن کے نام پرسب سے پہلے کسی روڈ کا نام رکھا گیا ،کراچی میں سابقہ مارسٹن روڈ کا نام بدل کر باقاعدہ سرکاری طور پر ''وحیدمراد روڈ '' رکھا گیا۔وحیدمراد وہ واحد پاکستانی اداکار ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کی تقریباً تمام ہیروئنز کے ساتھ کام کیا بلکہ وحیدمراد کو یہ منفرد اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کے ساتھ فلموں میں ہیروئن آنے والی اداکارہ شمیم آراء ،نغمہ اور بہار نے بعد میں کئی فلموں میں وحیدمراد کی ماں کا کردار بھی اداکیا ۔

اداکارہ شمیم آراء نے فلم ''وقت '' اور فلم ''جیواورجینے دو'' میں اور اداکارہ نغمہ نے فلم''آواز'' میں وحیدمراد کی ماں کے کردار ادا کیئے۔وحیدمراد پاکستان کا وہ واحد فلمی ہیرو تھا جس نے کبھی ینگ ٹو اولڈ کردار ادا نہیں کیا وہ کسی فلم میں کسی کا باپ نہیں بنا وہ فلموں میں ہیرو بن کر آیا تھا اور ایک ہیرو کے طور پرہی اس فانی دنیا سے رخصت ہوگیابلکہ اس کے ساتھ کام کرنے والے اداکار محمد علی اور ندیم کئی فلموں میں وحیدمرادکے بھائی اور باپ بن کرآئے جن میں خاص طور پر فلم''آواز'' جس میں اداکار محمد علی نے وحیدمراد کے باپ کا کردار اداکیا اور فلم''جیواور جینے دو'' جس میں اداکار ندیم نے وحیدمراد کے باپ کا کردار اداکیاجبکہ محمد علی نے بہت سی فلموں میں وحیدمراد کے بڑے بھائی کا کردار اداکیا۔وحیدمراد نے یوں تو بہت سے مرد فنکاروں اور فلمی ہیروئینز کے ساتھ کام کیا لیکن ان کو سب سے زیادہ اداکار محمد علی اور اداکار ہ رانی کے ساتھ پسند کیا گیااور ان دونوں فنکاروں کے ساتھ ریلیز ہونے والی وحیدمراد کی اکثر فلمیں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔جس دور میں وحیدمراد فلموں میں کام کیا کرتے تھے اس دور میں کسی بھی نئی اداکارہ کو فلموں میں انٹرو ڈیوس کرواتا ہو تا تو فلمساز اور ہدایتکار ہمیشہ اس اداکارہ کو سب سے پہلے وحیدمراد کے ساتھ ہی ہیروئن کے طور پر کاسٹ کیا کرتے تھے جیسے اداکارہ انجمن کو فلم ''وعدے کی زنجیر'' میں وحیدمراد کی ہیروئن بنا کر متعارف کروایا گیا اور اسی طرح اداکارہ روحی بانو کو فلم ''ضمیر'' میں وحید مراد کی ہیروئن بنا کر انٹروڈیوس کروایا گیا ،غیرملکی اداکارہ شمینہ سنگھ کو فلم '' کالا دھندہ گورے لوگ '' میں وحیدمراد کی ہیروئن کے کردار میں فلم بینوں سے متعارف کروایا گیا۔اداکارہ سائرہ کو فلم ''پھول میرے گلشن کا'' میں وحیدمراد کی ہیروئن بنا کر متعارف کروایا گیا ،اداکارہ نیلم کوفلم''بندھن '' میں وحیدمراد کی ہیروئن بنا کر منظر عام پر لایا گیا غر ض یہ کہ اس طرح کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ جب بھی کسی اداکارہ کو لولی ووڈ میں پہلی بار چانس دیا گیا تو اس کے مد مقابل ہیرو کے کردار کے لیئے ہمیشہ وحیدمراد کو ہی چنا گیا۔وحیدمراد نے تما م فلموں میں بطور ہیرو ہی کام کیالیکن صرف ایک فلم ''شیشے کا گھر'' میں انہوں نے اداکار شاہد کے مدمقابل'' ولن'' کا کردار ادا کیا۔وحیدمراد کے آخری دور کی فلم''آہٹ '' وہ واحد فلم ہے جس میں وحیدمراد پر کوئی گانا پکچرائز نہیں کیاگیا جبکہ ان کی آخری فلم'' ہیرو '' وہ واحد فلم ہے جس میں وحید مراد نے اپنے ایک کردار کو نبھانے کے لیئے اپنے مشہور زمانہ ہئیر اسٹائل کو تبدیل کرکے بال ماتھے سے اوپر کرکے بنائے۔

وحیدمراد کو ان کے خاندان میں پیار سے سب ''ویدو'' کہہ کر بلاتے تھے۔وحیدمراد چٹ پٹے مصالحہ دار کھانے بہت شوق سے کھاتے تھے خاص طور پر جھینگا، مچھلی اور نہاری ان کے پسندیدہ کھانے تھے جبکہ لہسن کی چٹنی ان کے دستر خوان کا لازمی حصہ ہوا کرتی تھی ۔وحیدمراد بہت صاف گو اورنفیس انسان تھے جو ان سے ایک بار مل لیتا وہ ان کا گرویدہ ہوجایا کرتا تھا۔وحیدمراد کی بیٹی عالیہ مراد اور بیٹا عادل مراد دونوں ہی نے شوبز کی دنیا میں قدم رکھا لیکن عالیہ مراد لیڈیز کپڑے بنانے والی ایک کمپنی کے اشتہار میں اداکارہ انیتا ایوب کے ہمراہ ماڈلنگ کرنے کے کچھ ہی عرصہ بعد شادی کرکے شوبز کی دنیا سے دور چلی گئیں جبکہ عادل مراد نے شوبز کی فیلڈ میں خاصی کامیابی حاصل کی اور اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے اپنے آپ کو منوایا، وہ مقامی ٹی وی چینل کے ایک مقبول پروگرام''سچ کا سامنا'' کے ہوسٹ بھی بنے اور ان کے اس پروگرام نے پسندیدگی کی سند حاصل کی۔کل کا چائیلڈ اسٹارعادل مراد آج ایک کامیاب اداکاراور پروڈیوسر بن چکا ہے جس کی بنائی ہوئی ٹیلی فلمیں اور ٹی وی ڈرامے ناظرین میں مقبولیت حاصل کررہے ہیں، پروڈکشن اور ڈائریکشن کے ساتھ بعض ٹیلی فلموں اور ڈراموں میں عادل مراد نے عمدہ اداکاری کرکے اپنے مداحوں کا ایک حلقہ بنالیا ہے اس لیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کے مقبول ترین فلمی ہیرو وحیدمراد کا شروع کیا ہوا سفر ابھی ختم نہیں ہوا ہے کہ عادل مراد کی شکل میں ایک باصلاحیت پروڈیوسر،ہدایتکار ،ہوسٹ،اور اداکار لولی ووڈ فلم انڈسٹری اور ٹی وی چینلز پر اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پرکامیابی کے سفر پر گامزن ہے۔

وحیدمراد کا شاندار کام ان کے نام کو فن کی دنیا میں ہمیشہ زندہ رکھے گا کہ وحید مراد جیسے منفرد،اسٹائلش اور باصلاحیت اداکار صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور صدیوں تک یاد رکھے جاتے ہیں جب تک فن ،فنکار اور فنکاروں کے قدردان موجود ہیں وحیدمراد کا نام فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ ان جیسا فنکار نہ ان کے زمانے میں کوئی تھا نہ آج ہے اور نہ ہی آنے والے کل میں پیدا ہوگا جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کے انتقال کر جانے کے33 برس بعد بھی کوئی دوسرا پاکستانی فنکار ان جیسی بے مثال اور ریکارڈ ساز مقبولیت حاصل نہیں کرسکا ،بہت سے فنکاروں نے وحیدمراد کے اسٹائل کو کاپی کیا لیکن کوئی بھی وحیدمراد کی جگہ لینے میں کامیاب نہ ہوسکا کہ بعض لوگوں کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہوتا ہے وہ کبھی پورا نہیں ہوتا ۔اللہ تعالیٰ وحیدمراد مرحوم کی مغفرت فرماتے ہوئے ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطافرمائے (آمین)

§§§

بہتر گھر

مصنف: علی احمد

ایک شخص نے بہتر گھر خریدنے کیلئے اپنا پہلے والا گھر بیچنا چاہا۔
اس مقصد کیلئے وہ اپنے ایک ایسے دوست کے پاس گیا جو جائیداد کی خرید و فروخت میں اچھی شہرت رکھتا تھا۔
اس شخص نے اپنے دوست کو مدعا سنانے کے بعد کہا کہ وہ اس کے لئے گھر برائے فروخت کا ایک اشتہار لکھ دے۔
اس کا دوست اِس گھر کو بہت ہی اچھی طرح سے جانتا تھا۔ اشتہار کی تحریر میں اُس نے گھر کے محل وقوع، رقبے، ڈیزائن، تعمیراتی مواد، باغیچے، سوئمنگ پول سمیت ہر خوبی کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔
اعلان مکمل ہونے پر اُس نے اپنے دوست کو یہ اشتہار پڑھ کر سُنایا تاکہ تحریر پر اُسکی رائے لے سکے۔
... اشتہار کی تحریر سُن کر اُس شخص نے کہا، برائے مہربانی اس اشتہار کو ذرا دوبارہ پڑھنا۔ اور اُس کے دوست نے اشتہار دوبارہ پڑھ کر سُنا دیا۔
اشتہار کی تحریر کو دوبارہ سُن کو یہ شخص تقریباً چیخ ہی پڑا کہ کیا میں ایسے شاندار گھر میں رہتا ہوں؟
اور میں ساری زندگی ایک ایسے گھر کے خواب دیکھتا رہا جس میں کچھ ایسی ہی خوبیاں ہوں۔ مگر یہ کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ میں تو رہ ہی ایسے گھر میں رہا ہوں جس کی ایسی خوبیاں تم بیان کر رہے ہو۔ مہربانی کر کے اس اشتہار کو ضائع کر دو، میرا گھر بکاؤ ہی نہیں ہے۔
ایک بہت پرانی کہاوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نعمتیں تمہیں دی ہیں ان کو ایک کاغذ پر لکھنا شروع کر دو، یقیناً اس لکھائی کے بعد تمہاری زندگی اور زیادہ خوش و خرم ہو جائے گی۔
اصل میں ہم اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا ہی بھلائے بیٹھے ہیں کیوں کہ جو کچھ برکتیں اور نعمتیں ہم پر برس رہی ہیں ہم اُن کو گننا ہی نہیں چاہتے۔

ہم تو صرف اپنی گنی چنی چند پریشانیاں یا کمی اور کوتاہیاں دیکھتے ہیں اور برکتوں اور نعمتوں کو بھول جاتے ہیں۔
کسی نے کہا: ہم شکوہ کرتے ہیں کہ اللہ نے پھولوں کے نیچے کانٹے لگا دیئے ہیں۔ ہونا یوں چاہیئے تھا کہ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے کہ اُس نے کانٹوں کے اوپر بھی پھول اگا دیئے ہیں۔
ایک اور نے کہا: میں اپنے ننگے پیروں کو دیکھ کر کُڑھتا رہا، پھر ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے پاؤں ہی نہیں تھے تو شکر کے ساتھ اللہ کے سامنے سجدے میں گر گیا۔
اب آپ سے سوال
کتنے ایسے لوگ ہیں جو آپ جیسا گھر، گاڑی، ٹیلیفون، تعلیمی سند، نوکری وغیرہ، وغیرہ، وغیرہ کی خواہش کرتے ہیں؟
کتنے ایسے لوگ ہیں جب آپ اپنی گاڑی پر سوار جا رہے ہوتے ہو تو وہ سڑک پر ننگے پاؤں یا پیدل جا رہے ہوتے ہیں؟
کتنے ایسے لوگ ہیں جن کے سر پر چھت نہیں ہوتی جب آپ اپنے گھر میں محفوظ آرام سے سو رہے ہوتے ہیں؟
کتنے ایسے لوگ ہیں جو علم حاصل کرنا چاہتے تھے اور نا کر سکے اور تمہارے پاس تعلیم کی سند موجود ہے؟
کتنے بے روزگار شخص ہیں جو فاقہ کشی کرتے ہیں اور آپ کے پاس ملازمت اور منصب موجود ہے؟
اور وغیرہ وغیرہ وغیرہ ہزاروں باتیں لکھی اور کہی جا سکتی ہیں۔۔۔۔
کیا خیال ہے ابھی بھی اللہ کی نعمتوں کے اعتراف اور اُنکا شکر ادا کرنے کا وقت نہیں آیا کہ ہم کہہ دیں
یا رب لک الحمد کما ینبغي لجلال وجہک وعظیم سلطانک
اللہم لک الحمد حتی ترضی و لک الحمد إذا رضیت ولک الحمد بعد الرضا

§§§

بے چین

مصنف: سفیان خان

میکوٹن نے سامنے بیٹھے امیدوار کی طرف غور سے دیکھا۔ یہ دبلا پتلا گندمی رنگت کا آدمی کام کی تلاش میں آیا تھا۔ میکوٹن نے اُسے بتایا کہ یہ کام بہت مشقت والا اور عارضی ہے تمھیں نقد ادائیگی کی جائے گی۔ یہ پرانی عمارتیں گرانے کا کام ہے جس میں خطرہ بھی ہے لیکن بیمہ یا صحت کے علاج کے سلسلے میں ہماری کوئی ذمے داری نہیں ہوگی۔

رام لعل نے اقرار میں سر ہلا دیا ۔ اس کا تعلق بھارتی علاقے راجستھان کے ایک غریب گھرانے سے تھا۔وہ طب کی تعلیم پانے آئرلینڈ آیا تھا۔ اس کا آخری سال تھا، اپنی ضروریات پورا کرنے کی خاطر اُسے مزید آمدن درکار تھی۔ اسی لیے وہ ٹھیکیدار کے دفتر عارضی ملازمت حاصل کرنے آیا تاکہ موسم گرما کی چھٹیوں میں کچھ آمدن حاصل کر سکے۔میکوٹن نے رام لعل سے کہا، وہ کل سے کام پر جائے۔ اوقات صبح ۷ بجے سے شام کے ۷ بجے ہیں۔ تمام مزدوروں کو ٹرک صبح ۶ بجے اسٹیشن کے سامنے سے لیتا ہے۔ ان کا انچارج بل کیمرون ہے، میں اسے بتا دوں گا۔رام لعل دفتر سے باہر آیا اور ایک کمرا تلاش کرنے لگا۔ کوشش کے بعد اسے اسٹیشن کے قریب ایک کمرا مل گیا۔ اتوار کے روز وہ اپنے مختصر سامان کے ساتھ اس کمرے میں منتقل ہوگیا۔دوپہر کے وقت وہ بستر پر لیٹا اپنے گائوں کی پہاڑیوں، کھیتوں اور کسانوں کو یاد کرتا اور سوچتا رہا تھا کہ جلد اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹر بن کر گائوں چلا جائے گا۔پیر کی صبح رام لعل جلدی اٹھا اور ۶ بجے کے قریب مقررہ مقام پر پہنچ گیا۔ کچھ دیر بعد ٹرک پہنچ گیا۔ اس وقت تک ۱۲ افراد جمع ہو چکے تھے۔ رام لعل کچھ دور ہٹ کر انتظار کرنے لگا۔تھوڑی ہی دیر میں گروپ انچارج بھی پہنچ گیا ۔ اس کے پاس مزدوروں کی فہرست تھی اور وہ سب کو جانتا تھا۔ رام لعل اُس کے قریب پہنچاتو فورمین نے پوچھا ''کیا تم وہی کالے آدمی ہوجسے میکوٹن نے ملازم رکھا ہے۔''اس نے کہا ''ہاں میں ہی ہری کشن رام لعل ہوں۔''فورمین بل کیمرون کا رویہ اس کی شخصیت کا آئینہ دار تھا۔ اس کا قد ۶ فٹ ۱۳ انچ اور جسم طاقتور تھا، شکل سے بھی وہ ایک پہلوان معلوم ہوتا ۔ غصہ اس کی ناک پر دھرا رہتا تھا۔ اس نے حقارت سے زمین پر تھوکا اور رام لعل سے کہا ''جائو ٹرک میں بیٹھو''۔ دورانِ سفر ایک شخص نے پوچھا ''تم کہاں سے آئے ہو۔'' اس نے کہا ''بھارت کے علاقے راجستھان سے۔ ''آدمی نے پوچھا ''کیا تم عیسائی ہو؟''رام لعل نے کہا ''میں ہندو ہوں۔''اس شخص نے پھر جس کا نام برنس تھا، باقی لوگوں سے رام لعل کا تعارف کرایا۔ ایک شخص نے کہا ''تمھارے پاس کھانا نہیں ہے؟''رام لعل نے کہا''میں کل سے لاؤں گا۔'' دوسرے شخص نے پوچھا ''کیا تم نے ایسا مشقتی کام پہلے کیاہے؟''رام نے نفی میں سر ہلادیا۔ اس شخص نے کہا'' تمھیں مضبوط جوتے اور دستانے بھی خریدنے ہوں گے''۔ باتوں باتوں میں رام لعل نے بتایا کہ وہ طب کا طالب علم ہے اور اسے مجبوراً یہ کام کرناپڑرہاہے تاکہ کچھ زائد آمدن حاصل کرسکے۔ٹرک ڈوپلڈ روڈ پر ایک کچے راستے پر درختوں کے قریب رک گیا۔ وہاں کومبر کے کنارے شراب کی ایک پرانی فیکٹری تھی جسے گرایاجاناتھا۔ عمارت کے مالک کی خواہش تھی کہ کم سے کم رقم خرچ ہو۔ لہٰذا اس نے کسی بڑی کمپنی کے بجائے ٹھیکیدار میکوٹن سے بات کی جومناسب رقم میں بغیر مشینری کے عمارت گرانے کے لیے تیار ہوگیا۔ میکوٹن کے مزدوروں نے یہ کام بھاری ہتھوڑوں اور کدالوں کی مدد سے کرنا تھا۔ میکوٹن کو یہ بھی لالچ تھا کہ عمارت ٹوٹنے سے نکلنے والی لکڑی اور سیکڑوں ٹن اینٹیں فروخت کرکے اضافی آمدنی حاصل ہوگی۔مزدور اوزار اٹھائے عمارت کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے پاس بڑے ہتھوڑے، لمبی چھینیاں اور رسے تھے۔ فورمین نے کہا ''چلو بھئی کام شروع کرو۔ ہم سب سے پہلے چھت کی ٹائلیں توڑیں گے۔'' رام لعل نے اندر چھت دیکھی جو کسی چار منزلہ عمارت کے برابر اونچی تھی۔ اسے اونچائی سے خوف آتا تھا۔ ایک آدمی نے پرانی لکڑی کا دروازہ توڑا اور آگ جلا کر چائے کا پانی رکھا۔ سب لوگوں نے تام چینی کے مگ نکالے اور چائے پینے لگے۔ رام لعل نے سوچا کہ کل وہ مگ بھی خرید لے گا۔ تاہم برنس نے اپنے مگ میں رام لعل کو چائے دی۔ چھت پر کام شروع ہوگیا۔ ٹائلیں اکھاڑ کے نیچے پھینکی جانے لگیں۔ ۱۲ بجے کے بعد کھانے کا وقفہ ہوا اور سب لوگ نیچے آگئے۔ چائے بنی اوررام لعل کے سوا سب مزدوروں نے کھاناکھایا۔ اس نے اپنے ہاتھ دیکھے جو جگہ جگہ سے چھل گئے تھے اور سارا جسم دکھ رہا تھا۔ برنس نے رام لعل سے کہا'' لو تم بھی سینڈوچ کھا لو، میرے پاس کافی ہیں''۔ بل کیمرون سامنے بیٹھا تھا ،اس نے برنس سے کہا'' تم کیا کررہے ہو۔ کالے کو اپنا کھانا خود لانے دو، تم صرف اپنی فکر رکھو''۔ برنس نے اپنی نظریں جھکالیں کیونکہ کوئی بھی فورمین کے آگے نہیں بول سکتا تھا۔پورے ہفتے کام چلتا رہا۔ عمارت کی چھت، دیواریں، دروازے اور کھڑکیاں نیچے ملبے کے ڈھیر پر گرتی رہیں۔ رام لعل کے لیے یہ سخت محنت کا کام تھا، ہاتھ زخمی ہوگئے لیکن رقم کی خاطر وہ محنت کرتا رہا۔ اس دوران فورمین بل کیمرون جسے لوگ ''بگ بلی'' بھی کہتے تھے، رام لعل کے پیچھے لگا رہا۔ مشکل سے مشکل کام اسے دیا جاتا اور وہ بے عزتی کرنے کا بھی کوئی موقع ضائع نہ کرتا ۔ہفتے کے روز تک اندر کا کام پورا ہوچکا ۔ اب باہر کی دیواریں باقی تھیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دیواروں میں نیچے ڈائنامائٹ لگایا جاتا تو ایک ساتھ پورا ملبہ نیچے آ گرتا۔ لیکن میکوٹن کے لیے یہ طریقہ ناقابلِ عمل تھا۔ اس کے لیے لائسنس کی ضرورت تھی جو شمالی آئرلینڈ میں مشکل کام تھا۔ اس کے علاوہ محکمہ ٹیکس اور انشورنس والوں کو بھی ادائیگی کرنا پڑتی۔ لہٰذا یہ سارا کام مزدوروں کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ خودکو خطرہ میں ڈالتے دیواریں ہتھوڑوں سے توڑ رہے تھے۔کھانے کے وقت فورمین نے ادھر اُدھر گھوم کر کام کا جائزہ لیا اور پھر کہا کہ اس طرف کی دیوارکا بڑا حصہ پہلے توڑنا ہے۔ پھروہ رام لعل کی طرف مڑا اور کہا '' میں چاہتا ہوں کہ تم اوپر چڑھو اور جب دیوار گرنے لگے تو اسے باہر کی طرف دھکا دو''۔ بل کیمرون جانتا تھا کہ رام لعل اونچائی سے ڈرتا ہے۔رام لعل نے جواب دیا '' اس پوری دیوار میں دراڑ پڑی ہوئی ہے۔ جو بھی اوپر گیا، وہ اس کے ساتھ ہی گرے گا۔'' بل کیمرون کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا ، وہ چیخ کر بولا ''تم مجھے میرا کام مت سمجھائو ۔ کالے آدمی،جیسا تم سے کہا،وہی کرو''۔رام لعل اٹھااور فورمین کے سامنے جا کربولا۔'' مسٹر کیمرون! ایک بات صاف ہونی چاہیے۔ میرا تعلق راجپوت قبائل سے ہے۔ گو اس وقت میرے پاس تعلیمی اخراجات کے لیے رقم کم ہے لیکن میرے آباء واجداد میں دو ہزار سال قبل راجہ، مہاراجہ ، شہزادے اور فوج کے سپہ سالار گزرے ہیں۔ اس وقت تم لوگ بندروں کی طرح چاروں ہاتھ پیر پر چلتے اور کپڑوں کی جگہ کھال پہنتے تھے ۔ براہِ مہربانی آپ میری بے عزتی کرنا بند کردیں۔ ہر انسان کی اپنی عزت ہوتی ہے جس کی حفاظت اس کا فرض ہے''۔رام لعل کی یہ مختصر تقریر سب لوگوں نے دم بخود سنی۔ بل کیمرون کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ اس نے چیخ کر گالی دی اور کہا ''اچھا تو تم واقعی عزت دار تھے''۔ ساتھ ہی اس نے رام لعل کے منہ پر الٹے ہاتھ کا زوردار تھپڑ رسید کیا۔ بیچارا رام لعل زمین سے اُڑ کر کئی فٹ دور جا گرا۔ برنس کی آواز آئی ''لڑکے زمین سے اٹھنا مت، ورنہ بگ بلی تمھیں جان سے ہی مار دے گا۔'' رام لعل نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو دیوزاد بل کیمرون مٹھیاں بند کئے اس کے اٹھنے کا منتظر تھا۔ رام لعل کا اس سے کوئی مقابلہ نہ تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور خاموشی سے پڑا رہا۔ دُکھ اور بے عزتی کی تکلیف سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔بند آنکھوں سے رام نے خود کو وطن میں پایا جہاں اس کے آباء واجداد گھوڑوں پر سوار، تلواروں اور نیزوں سے لیس آس پاس سے گزرتے اسے صرف ایک لفظ کہہ رہے تھے'' انتقام، انتقام۔ تمھیں اپنی بے عزتی کا انتقام لینا ہوگا۔'' رام لعل خاموشی سے اٹھا اور کام میں لگ گیا۔ سارا دن نہ وہ کسی سے بولا اور نہ کوئی بات کی۔اس رات جب وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو باہر گرج چمک ہو رہی تھی اور طوفانی بارش کے آثار تھے۔ وہ بسترپرلیٹ گیا اورکوئی ایسی تدبیر سوچنے لگا جس سے انتقام لے سکے۔تھوڑی دیربعد بارش شروع ہونے لگی۔اس کی نظرکھڑکی کے شیشے پرپڑی جہاں بارش کی بوندیں ایک قطار کی شکل میں بہنے لگی تھیں۔ شیشے پر پڑی مٹی کی وجہ

سے پانی کی قطار سیدھی کے بجائے لہراتی ہوئی بہنے لگی۔ اچانک رام لعل کی نظر کونے پر پڑی ڈریسنگ گاؤن کی ڈوری پہ گئی جو ہوا سے نیچے گر گئی تھی۔ گری ڈوری ایسی لگتی تھی کہ پتلا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہو۔ رام لعل سمجھ گیا کہ اسے کیاتدبیراختیارکرنی چاہیے۔اگلے روز رام لعل بذریعہ ریل بیلفاسٹ گیا اور اپنے سکھ دوست سے ملا۔ رنجیت سنگھ بھی اس کی طرح طالب علم تھا لیکن اس کے والدین دولت مند تھے اور اسے ماہانہ اچھی رقم اخراجات کے لیے بھیجتے ۔ رام لعل نے اس سے کہا کہ مجھے گھر سے اطلاع ملی ہے، میرے والد بستر مرگ پر ہیں۔ میں سب سے بڑا بیٹا ہوں۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مجھے واپس ہندوستان جانا ہوگا۔ رنجیت سنگھ نے کہا کہ ہاں یہی روایت ہے کہ والد کے انتقال کے وقت بڑا بیٹا اس کے پاس ہو۔ رام لعل نے کہا ،میرا مسئلہ ہوائی سفر کے ٹکٹ کا ہے۔ میں کام بھی کررہا ہوں لیکن میرے پاس کافی پیسے نہیں ۔ کیا تم مجھے کچھ رقم ادھار دے دو گے؟ میں زائد کام کرکے تمھاری رقم لوٹا دوں گا۔ سکھ نے کہا کہ کوئی بات نہیں، میں کل بینک سے رقم نکلوا کر تمھیں دے دوں گا۔اس روز شام کو رام لعل اپنے ٹھیکیدار مسٹر میکوٹن سے ملا اور اپنے والد کے بارے میں بتایا کہ اس کا آخری وقت قریب ہے۔

میں اس سے ملنے جا نا چاہتا ہوں۔ یہ ہمارا مذہبی طریقہ ہے کہ مرنے والے کی آخری رسوم اس کا بڑا بیٹا ادا کرے۔ رام لعل نے یہ بھی کہا ’’ میں نے ہوائی کرائے کی رقم دوست سے اُدھار لی ہے۔ اگر میں کل کی پرواز سے روانہ ہوجائوں تو اگلے ہفتے واپس آ سکتا ہوں۔‘‘ٹھیکیدار نرم دل آدمی تھا، اس نے کہا ’’ٹھیک ہے !تم جاسکتے ہو۔ اگر تم وعدے کے مطابق واپس پہنچ جاتے ہوتو انہی شرائط پر دوبارہ کام شروع کردینا‘‘۔رام لعل نے شکریہ ادا کیا اور واپس آگیا۔ اگلے روز اس نے اپنے سکھ دوست سے رقم ادھار لی اور بذریعہ ریل لندن پہنچ کر بھارت جانے کے لیے ٹکٹ خرید لیا ۔ اس طرح ۲۴ گھنٹوں کے اندر وہ بمبئی پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ ایک دکان پر پہنچا جہاں پالتو پرندے، سانپ اور دیگر جانور فروخت ہوتے تھے۔ اُسے دراصل ایک چھوٹے زہریلے سانپ کی تلاش تھی۔ دکاندار نے بتایا کہ تمھاری خوش قسمتی ہے کہ کل ہی میرے پاس ایک چھوٹا سانپ آیا ہے جو آراکھیراناگ (Saw Scaled Viper) کہلاتا ہے۔ یہ سانپ مغربی افریقہ سے عرب، ایران، پاکستان اور بھارت کے خشک اور نم علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی ۱۰۔۱۵ سینٹی میٹر تک، رنگ گہرا بھورا اور جسم پتلا ہوتا ہے۔ زہریلے دانت شکار کی جلد پر سوئی جیسے دو سوراخ چھوڑتے ہیں۔ زہر اتنا تیز اثر ہوتا ہے کہ دو تین گھنٹوں میں موت واقع ہوجاتی ہے۔ موت کا سبب دماغ میں خون کا اخراج ہوتا ہے۔رام لعل نے دکان کے مالک سے پوچھا کہ اس سانپ کی کیا قیمت لوگے؟ کچھ دیر بحث کے بعد سودا ۳۵۰ روپے میں طے ہوگیا۔ رام لعل سانپ کو ایک ڈھکن والی بوتل میں بند کرکے گھرچلاآیا۔ لندن سفر کے لیے رام لعل نے ایک سگار بکس خریدا۔ اسے خالی کرکے اس میں پندرہ چھوٹے سوراخ کیے اور سانپ نرم پتوں کے ساتھ سگار بکس میں بند کرکے اسے اچھی طرح ٹیپ سے بند کردیا۔ اس طرح لندن واپسی کا سفر شروع ہوا۔ شام تک رام لعل اپنے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے سگار بکس نکال کر دیکھا۔ سانپ بالکل صحیح حالت میں سیاہ چمک دار آنکھوں سے رام لعل کو گھور رہا تھا۔رام لعل نے شیشے کا ایک ڈھکن دار مرتبان خالی کیا تاکہ صبح استعمال کیا جائے۔ صبح جلدی اٹھ کر اس نے انتہائی احتیاط سے سانپ کو سگاربکس سے مرتبان میں منتقل کیا۔ مضبوطی سے ڈھکن لگایا اور اسے اپنے لنچ بکس میں حفاظت سے رکھ دیا۔مقررہ وقت وہ اسٹیشن پہنچاجہاں سے ٹرک سب مزدوروں کو لیے کام کی جگہ جاتا تھا۔بل کیمرون کی یہ عادت تھی کہ کام شروع کرنے سے پہلے وہ اپنی جیکٹ اتار کر کسی شاخ پہ اُتار دیتا تھا۔ کھانے کے وقفے میں وہ جیکٹ کی جیب سے اپنا پائپ اور تمباکو کی تھیلی نکال کر پائپ ضرور پیتا ۔رام لعل کا ارادہ تھا کہ وہ موقع پاکر سانپ کو بل کیمرون کی جیکٹ کی جیب میں چھوڑ دے گا۔ پھروہ جیکٹ کی جیب سے پائپ اور تمباکو نکالے گا۔ اس دوران سانپ بل کیمرون کو ڈس لے گا۔ بل کیمرون گھبرا کر ہاتھ جیب سے نکالے گا، تو سانپ اس کے ہاتھ سے لٹکا ہوگا کیونکہ اس کے دانت گوشت میں گڑے ہوں گے۔ منصوبے کے مطابق رام لعل کسی بہانے ۱۱ بجے کے قریب اٹھا۔ اپنا لنچ بکس کھول کر سانپ کا مرتبان نکالا ، ڈھکن کھول کر بل کیمرون کی جیکٹ کی داہنی جیب میں الٹا اور فوراً واپس آکر کام میں لگ گیا۔ کھانے کے دوران سب لوگ دائرے میں بیٹھ کر سینڈوچ کھانے لگے۔ رام لعل کا دل کھانے میں نہیں لگ رہا تھا، وہ زبردستی سب کے ساتھ بیٹھا ۔ کبھی کبھی نظر اٹھا کر فورمین کی جیکٹ کی طرف دیکھتا ۔ آخرکار بل کیمرون نے کھانا ختم کیا ، اُٹھ کر اپنی جیکٹ کی طرف گیا اور داہنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

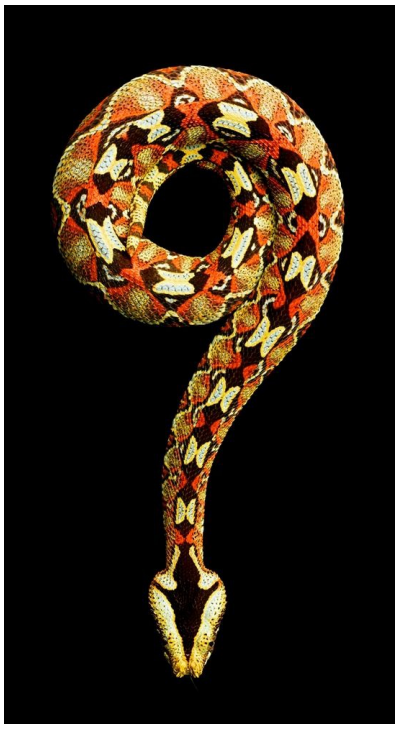

چند سیکنڈ بعد اس نے پائپ اور تمباکو کی تھیلی نکالی ، پائپ بھر کر جلایا اور پینا شروع کردیا۔رام لعل مایوسی اور نااُمیدی کا شکار تھا کہ اس کی چال نے اپنا کام نہیں دکھایا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر بے یقینی سے جیکٹ کی طرف دیکھا۔ اسے چند سیکنڈ کے لیے جیکٹ کے ایک کنارے پر کوئی چیز چلتی نظر آئی۔ جیکٹ کی جیب میں پائے جانے والے چھوٹے سے سوراخ سے سانپ نکل کر اندرونی سلائی میں چھپ گیاتھا۔شام کو واپسی کے وقت فورمین نے اپنی جیکٹ اتار کر اپنے برابر رکھ لی اور مقررہ مقام پر سب لوگ اتر کر اپنے گھر جانے لگے۔ رام لعل نے برنس سے پوچھا کہ کیا بل کیمرون کے بیوی بچے ہیں؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔رام لعل اپنے کمرے پہنچا اور دل سے دعا کرنے لگا کہ میں اپنی بے عزتی کا بدلہ بل کیمرون سے لینا چاہتا تھا لیکن اس کے بیوی بچوں کو نقصان پہنچانا میرا مقصد ہرگز نہیں ۔ اتوار کا دن بھی انہی سوچوں میں گزر گیا۔پیر کی صبح بل کیمرون اور اس کے بیوی بچے صبح ۶ بجے کے قریب اٹھے اور ناشتاکرنے باورچی خانے میں جمع ہوگئے۔ بل کیمرون کام پہ جانے کے لیے تیار ہوا۔ اس نے بیٹی سے کہا کہ ذرا میری جیکٹ تو لانا۔ وہ الماری سے نکال کر لائی۔ بل نے کہا: ’’اسے دروازے کے پیچھے ٹانگ دو۔میں ابھی لیتا ہوں۔‘‘ جب بیٹی نے جیکٹ ٹانگی تو وہ پھسل کر باورچی خانے کے فرش پر گر پڑی۔ بلی نے غصے سے کہا ’’تم سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہوتا۔ جیکٹ اٹھا کر اچھی طرح ٹانگو۔‘‘’’بابا، یہ آپ کی جیکٹ سے کیا چیز گری ۔‘‘ بگ بلی کی بیوی، بیٹے اور سب نے اس طرف دیکھا۔ ایک چھوٹا سا جاندار فرش پر پڑا چمکیلی آنکھوں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔

باریک دو شاخہ زبان لہراتی نظر آرہی تھی۔ بل کی بیوی بولی'' خدا ہمیں محفوظ رکھے ،یہ تو کوئی سانپ ہے''۔بل کیمرون غصے سے بولا: ''پاگل نہ بنو، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آئرلینڈ میں قدرتی طور پر کوئی سانپ نہیں پایا جاتا۔ ہر شخص یہ بات جانتا ہے۔ '' پھر اُس نے بیٹے سے پوچھا: ''بوبی، تم تو اسکول میں سائنس پڑھتے ہو، تمھارے خیال میں یہ کیا چیز ہے۔'' لڑکے نے سانپ کی طرف غور سے دیکھا اور کہا: ''یہ یقیناً کیچوا ہے جو عموماً جنگل کی گھاس میں پایا جاتاہے۔'' بگ بلی نے اپنے بیٹے سے کہا: ''یہ جو کچھ بھی ہے، اسے مار کر باہر پھینک دو۔'' بوبی اٹھا اور اپنا جوتا نکال کراس جانور کو مارنے چلا۔ بل کیمرون کے دماغ میں ایک اور خیال آیا۔ اس نے کہا: ''ذرا رک جائو اور مجھے ایک ڈھکن والا مرتبان دو۔''مرتبان آیا تو بلی اٹھا اور بہت احتیاط اور پھرتی سے سانپ کو مرتبان میں منتقل کردیا۔ سانپ بھی آئرلینڈ کے سرد موسم سے کچھ سست ہوگیا تھا۔ بلی کے بیٹے نے پوچھا: ''ابوآپ اس کا کیا کریں گے؟''بلی نے کہا: ''ہمارے گروہ میں ایک کالا بھارت سے آیا ہے، وہاں بہت سانپ ہوتے ہیں۔ ہیں‌ذرا اس کے ساتھ مذاق کروں گا۔وہ تو شاید خوف کے مارے مر ہی جائے گا۔''اس نے جیکٹ پہنی، کھانا لیا اور بیگ میں پھر سانپ والے مرتبان کے ساتھ رکھ دیا۔پھروہ اسٹیشن روانہ ہوگیا۔ وہاں سب لوگ مع رام لعل موجود تھے۔ ٹرک میں سوار ہوکر یہ پارٹی کام والی جگہ پرروانہ ہوگئی۔ وہاں کام شروع ہونے سے پہلے چائے کے دوران بل کیمرون نے چپکے چپکے دیگر لوگوں کو بھی بتا دیا کہ وہ اس کالے کے ساتھ کیا مذاق کرنے والا ہے۔اس کے ساتھیوں‌نے سوچا کہ یہ ایک بے ضرر کیڑا ہے ، رام لعل کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لہٰذا ایسے مذاق میں کوئی حرج نہیں ۔کھانے کے وقفے میں سب لوگ حسبِ معمول دائرے کی شکل میں بیٹھے ۔ رام لعل نے کچھ خیال نہ کیا لیکن باقی لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ اس نے اپنا لنچ باکس گھٹنوں پر رکھا اور اسے کھولا۔ سینڈوچ اور سیب کے بیچ چھوٹاسانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ رام لعل کی زبردست چیخ سے علاقہ گونج اٹھا اور ساتھ ہی سب مزدوربے ساختہ زور دار قہقہے لگانے لگے۔ رام لعل نے گھبرا کر اپنا لنچ باکس زور سے ہوا میں اچھال دیا۔ سانپ اور سینڈوچز تمام چیزیں چاروں طرف گھاس میں گر پڑیں۔ رام لعل چیختے ہوئے کھڑا ہوگیا اوربولا'' یہ سانپ بہت زہریلا اور خطرناک ہے۔ ''سب لوگ پھر سے ہنسنے لگے۔ رام لعل نے ان سے کہا: '' یقین کرو، یہ انتہائی زہریلا سانپ ہے۔''بل کیمرون کی آنکھوں میں ہنستے ہنستے آنسو آگئے ۔ وہ رام لعل سے کہنے لگا: ''کالے آدمی، تم تو بہت ہی بے وقوف ہو۔ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ آئرلینڈ میں کوئی سانپ نہیں پایا جاتا۔''بگ بلی ہنستے ہنستے کچھ تھک گیا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ گھاس پر لیٹ گیا کہ چند منٹ آرام کرلے۔تب اسے معمولی چبھن کا بھی احساس نہیں ہوا۔

اس کی داہنی کلائی پر سوئی کی نوک کے برابر دو انتہائی باریک سوراخ ہو چکے تھے۔ کھانا ختم ہوچکا تھا۔ سب لوگ کام کے لیے اٹھ گئے۔ عمارت توڑنے کا کام تقریباً ختم ہوچکا تھا۔ سارا ملبہ ڈھیر کی صورت میں پڑا تھا۔ دو گھنٹے بعد بل کیمرون نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا، اسے کچھ پسینہ آ رہا تھا۔ اس نے کچھ خیال نہ کیا۔تھوڑی دیر بعد اس نے ہتھوڑا ہاتھ سے رکھا اور اپنے ساتھی سے کہا '' میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ میں ذرا دیر سایہ میں آرام کر لیتا ہوں۔'' پھر وہ درخت کے نیچے بیٹھا سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کے سر میں شدید درد ہورہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس کے پورے جسم کو جھٹکا لگا اور وہ پیچھے کی طرف الٹ کر گرا۔ سب سے پہلے برنس نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے پیٹرسن کو آواز دی اورکہا: ''بگ بلی بہت بیمار لگ رہا ہے۔ میری بات کا اُس نے جواب بھی نہیں دیا۔'' سب مزدوروں نے کام چھوڑ دیا اور اس درخت کے پاس آگئے جہاں بل کیمرون زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن اُن میں زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ پیٹرسن نے رام لعل کو آواز دی کہ ادھر آئو اور اسے دیکھو۔ تم طب کے طالب علم ہو، تمھارا کیا خیال ہے؟ رام لعل کو کسی معاینے کی ضرورت تو نہ تھی لیکن پھر بھی اس نے جھک کر نبض دیکھی اور پیٹرسن سے کہا کہ یہ تو مر چکا۔پیٹرسن نے کہا '' سب لوگ یہیں ٹھہریں۔ میں ایمبولینس بلاتااور ٹھیکیدار میکوٹن کو بھی مطلع کرتا ہوں۔'' وہ پھر پیدل سڑک کی طرف روانہ ہوا تاکہ بوتھ سے فون کرسکے۔ ایمبولینس کے پہنچنے پر بل کیمرون کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔وہاں ڈاکٹروں نے معاینہ کیا اور بتایا کہ ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی اس شخص کی موت واقع ہوچکی ۔ میکوٹن بھی پریشانی کے عالم میں ہسپتال پہنچ گیا۔پولیس اور عدالتی کارروائی میں چند روز لگے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق بل کیمرون کی موت قدرتی طور پر ہوئی۔ وجہ دماغ میں شدید اخراجِ خون تھا۔ عیسائی مذہب کے طریقے کے مطابق تدفین ہوئی جس میں اس کے خاندان، میکوٹن اور دیگر ساتھی بھی شریک ہوئے۔رام لعل نے تدفین میں شرکت نہیں کی بلکہ وہ اس مقام پر جا پہنچا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔وہ گھاس میں کھڑے ہوکر دل ہی دل میں کچھ کہنے لگا ''اے زہریلے سانپ !کیا تم میری بات سن سکتے ہو۔ تم نے وہ کام کردکھایا جس کے لیے تمھیں راجستھان کی پہاڑیوں سے یہاں لایا گیا تھا۔ میرا انتقام پورا ہوگیا۔ میرے منصوبے کے مطابق تمھیں کام کرنے کے بعد مر جانا تھا۔ کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ ابھی نہیں تو کچھ عرصے بعد تم مر جائو گے۔ بغیر مادہ کے تمھاری نسل آگے نہیں چل سکتی کیونکہ آئرلینڈ میں کوئی سانپ نہیں پائے جاتے۔

§§§

ترقی

مصنف: سفیان خان

ایک گاؤں میں جھمرو اور منگلو نام کے دو دوست رہتے تھے۔ دونوں بہت غریب، جاہل اور سیدھے سادھے تھے۔ دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی دونوں اپنے اپنے خاندان کے ساتھ آپس میں مل جل کر رہتے تھے ۔دونوں فرصت کے وقت مندر کی صاف صفائی بھی کر لیا کرتے اور بیٹھ کر بھجن کیرتن کرتے تھے۔ یہی ان کا روزمرہ کا معمول تھا ۔ دونوں اپنی غریبی کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھے ۔ ایک دن مندر میں دونوں کی ملاقات ایک پنڈت جی سے ہوئی دونوں نے اُن سے اپنی پریشانیاں بتائیں۔ دونوں کی باتیں سُن کر پنڈت جی مسکرائے اور کہا : '' تم اس ترقی یافتہ دور میں اپنی بے وقوفی کی وجہ سے بے روزگار ہو۔ '' وہ دونوں پنڈت جی کی باتیں چپ چاپ سُنتے رہے ۔ پنڈت نے ان کی حالت بھانپ کر دونوں سے کہا: ''تم دونوں شہر جاکر اپنے لیے روزگار ڈھونڈ سکتے ہو یہاں پڑے پڑے تمہیں کچھ نہیں ملنے والا۔ بغیر محنت و مشقت کے دینے والا کچھ بھی نہیں دیتا۔''ان دونوں کو پنڈت کی بات سمجھ میں آگئی۔

یہ دونوں کبھی بھی گاؤں سے باہر نہیں گئے تھے۔ اس لیے شہر جانے سے ڈرتے تھے۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ اب کی بار گاؤں کی جاترا میں جب شہر کے لوگ آئیں گے تو ہم دونوں ان کے ساتھ شہر چلے جائیں گے۔

جھمرو اور منگلو شہر آگئے ۔ شہر کی چکا چوندھ سے وہ بھونچکے رہے گئے ۔ کام کی تلا ش میں دونوں کئی دنوں تک بھٹکتے رہے وہ جہاں بھی کام کی تلاش میں جاتے تو لوگ ان کے بارے میں پوچھتے اور کیا کام کر سکتے ہو یہ پوچھتے ۔ وہ دونوں شہر کے لوگوں کے سامنے کچھ ڈھنگ سے بول بھی نہیں پاتے تھے۔ اور لوگ انھیں دھتکار کر اپنے پاس سے بھگا دیتے۔

ایک دن ہمت کرکے کام ڈھونڈنے نکلے تو اناج کے گودام میں کام مل گیا ۔ کام تھااناج کی بوریاں ڈھونا، جھمرو اور منگلو محنتی تو تھے ہی، اپنی محنت اور لگن سے کام کرنے لگے اب دھیرے دھیرے ان کی تکلیفیں دور ہونے لگیں۔ جھمرو اور منگلو اپنی کمائی کے پیسے اکٹھے ہی رکھتے اور تھوڑی بہت بچت بھی کرتے ۔ دن گذرتے گئے اب ان کے رہنے کا مسئلہ بھی دور ہوگیا ، انھوں نے کرایے پر ایک کمرہ لے لیااور گاؤ ں جاکر اپنے اپنے خاندان کو شہر لے آئے دونوں کی بیویاں چمیلی اور بیلا بھی کام کرنے لگیں اور اپنی کمائی ساتھ ہی رکھنے لگیں اُن دونوں کے بچّے پڑھنے کے لیے اسکول بھی جانے لگے۔

جب کمائی بڑھنے لگی تو جھمرو کی بیوی چمیلی کے دل میں لالچ پیدا ہوا اور وہ کمائی کے پیسوں میں سے کچھ پیسے الگ نکال کر اپنے اور اپنے بچوں کا شوق پورا کرنے لگی اور منگلو کی بیوی بیلا اور اس کے بچوں سے بھید بھاؤ کرنے لگی ۔ بیلا اس کی ان حرکتوں کو سمجھ گئی ، چمیلی فضول خرچ اور لالچی تھی وہ چالاکی سے اپنے داو پیچ چلاتی جب کہ بیلا سمجھ دار اور اچھی عادتوں کی مالک تھی۔ ایک دن بیلا نے چمیلی سے کہا کہ کیوں نہ ہم دونوں اپنا کام الگ الگ کریں اوراپنی اپنی کمائی بھی اپنے پاس رکھیں چمیلی کو یہ بات پسند آئی اور وہ مان گئی۔

کچھ دنوں بعد جھمرو اور منگلو بھی اپنے اپنے خاندانوں کے ساتھ الگ الگ رہنے لگے ۔ چمیلی کی لالچی طبیعت اور فضول خرچی کی خراب عادتوں کی وجہ سے جھمرو اور اس کے خاندان کے لوگ پریشان رہنے لگے ۔ جب کہ بیلا کی سمجھ داری اور کفایت شعاری سے منگلو ترقی کرنے لگا۔ بیلا تھی تو سمجھ دار لیکن پڑھی لکھی نہیں تھی اس نے پڑھنا لکھنا سیکھا اور منگلو کو بھی سمجھایا کہ علم سیکھنے کی کوئی عمر نہیں ہوتی ، جب جاگے تب سویرا ، منگلو نے بھی پڑھنا سیکھ لیا اورترقی کرتے ہوئے اپنے بچوں کو اعلا تعلیم دلوائی آج منگلو اور بیلا کے بچے ڈاکٹر اور انجینئر بن گئے ہیں، جب کہ جھمرو اور چمیلی اپنی خود کی حرکتوں سے گاؤں سے بھی نچلے درجے کی زندگی گذارنے پر مجبور ہوگئے ۔ہوا یوں کہ اس دوران چمیلی بھی مر گئی ۔

یہ بات منگلو کو پسند نہ آئی کہ اُس کا دوست جھمرواس طرح پریشان رہے اُس نے بڑھ کر اپنے دوست کی مدد کی اور اُس کے بچوں کی تعلیم کے لیے اچھا انتظام کیا اورنائٹ اسکول میں ان کا داخلہ کرادیا۔ دھیرے دھیرے ایک دوست کی مدد سے دوسرا دوست بھی ترقی کرنے لگا ۔اب جھمرو کے بچے بھی ٹیچر بن کر محنت سے پڑھانے کا کام کررہے ہیں ۔ سچ ہے کہ فضول خرچی سے ہمیشہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے جب کہ کفایت شعاری سے ترقی ہوتی ہے۔

§§§

نپولین

مصنف: یوسف اقبال

یہ اُس دور کی بات ہے جب نپولین نے روس پر حملہ کیا تھا۔ اُس کے فوجی دستے ایک اور چھوٹے سے قصبے میں جنگ میں مصروف تھے۔ اتفاق سے نپولین اپنے آدمیوں سے بچھڑ گیا۔ کاسک فوج کے ایک دستے نے نپولین کو پہچان لیا اور شہر کی پُرپیچ گلیوں میں اُس کا تعاقب شروع کردیا۔ نپولین اپنی جان بچانے کے لیے دوڑتا ہوا ایک بغلی گلی میں واقع ایک سمور فروش کی دکان میں جا گھسا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔دکان میں داخل ہونے کے بعد جوں ہی اُس کی نگاہ سمور فرش پر پڑی وہ بے چارگی سے کراہتے ہوئے بولا ''مجھے بچالو! مجھے بچالو! مجھے کہیں چھپا دو۔'' سمورفروش بولا ''جلدی کرو! اُس گوشے میں‌سمور کے ڈھیر کے اندر چھپ جائو!'' پھر اُس نے نپولین کے اوپر اور بہت سے سمور ڈال دیے۔

ابھی وہ اس کام سے فارغ ہوا ہی تھا کہ کاسک فوجی دستہ دندناتا ہوا اُس کی دکان میں آ گھسا اور فوجی چیخنے لگے ''وہ کہاں ہے؟'' ''ہم نے اُسے اندر آتے ہوئے دیکھا ہے؟'' سمور فروش کے احتجاج کے باوجود اُن فوجیوں نے سمورفروش کی دکان الٹ پلٹ کر رکھ دی۔ نپولین کی تلاش میں اُنھوں نے دکان کا چپا چپا چھان مارا۔وہ اپنی تلواروں کی نوکیں‌سمور کے ڈھیر میں گھساتے رہے لیکن نپولین کو تلاش نہ کر پائے۔

بالآخراُنھوں نے اپنی کوشش ترک کر دی اور واپس چلے گئے۔ کچھ دیر بعد جب سکون ہوگیا تو نپولین سمور کے ڈھیر میں سے رینگتا ہوا باہر نکل آیا۔ اُسے کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔

عین اُسی لمحے نپولین کے ذاتی محافظ بھی اُسے تلاش کرتے ہوئے وہاں آن پہنچے اور دکان میں داخل ہوگئے۔ سمورفروش کوجب اندازہ ہوگیا کہ اُس نے کس عظیم شخصیت کو پناہ دی تھی تو وہ نپولین کی جانب گھوم گیا اور شرمیلے لہجے میں گویا ہوا ''میں اتنے عظیم آدمی سے یہ سوال پوچھنے پر معذرت چاہوں گا! لیکن سمور کے اِس ڈھیر کے نیچے جب آپ کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ اگلا لمحہ یقینی طور پر آپ کی زندگی کا آخری لمحہ بھی ہو سکتا تھا تو آپ کو کیا محسوس ہوا تھا؟'' نپولین جو اب پوری آن بان کے ساتھ تن کر کھڑا ہوچکا تھا، سمورفروش کے اِس سوال پر غصے میں آگیا اور برہمی سے بولا ''تمھیں مجھ سے، بادشاہ نپولین سے، یہ سوال کرنے کی ہمت کیوں کر ہوئی؟''

پھر وہ اپنے محافظوں سے مخاطب ہوا ''محافظو! اس گستاخ شخص کو باہر لے جائو۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دو اور اِسے گولی مار دو! میں بذاتِ خود اس پر فائر کھولنے کا حکم دوں گا۔'' محافظوں نے اُس بے چارے سمور فروش کو دبوچ لیا اور اُسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ پھر اُسے ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کرکے اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ سمورفروش کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، البتہ اُس کے کانوں میں محافظوں کے حرکت کرنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں جو دھیرے دھیرے ایک قطار میں کھڑے ہو کر اپنی رائفلیں تیار کر رہے تھے۔

ساتھ ہی اُسے سرد ہوا کے جھونکوں‌اور کپڑوں کی سرسراہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ ہوا کے تھپیڑے اُس کے لباس سے ٹکرا رہے تھے اور اُس کے گال یخ ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اُس کی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں اور وہ اُن پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ تب اُس کے کانوں میں نپولین کی آواز سنائی دی جس نے کھنکارتے ہوئے اپنا گلا صاف کیا اور آہستگی سے بولا ''ہوشیار... شست باندھ لو۔''

اُس لمحے میں یہ جانتے ہوئے کہ اُس کے تمام احساسات و جذبات اُس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے والے ہیں، سمورفروش کے اندر ایک ایسا احساس نمو‌پذیر ہونے لگا، جسے بیان کرنے سے وہ قاصر تھا۔اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہو گئے۔

اُسے قدموں کی چاپ سنائی دی جو اُس کی جانب بڑھ رہی تھی۔ جب وہ آواز اُس کے عین نزدیک آ گئی تو کسی نے ایک جھٹکے سے اُس کی آنکھوں پر بندھی پٹی کھول دی۔ اچانک روشنی ہونے سے سمورفروش کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں، تب اُس نے نپولین کو دیکھا جو اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اُس کے مقابل کھڑا تھا۔ اُس نے نپولین کے لب وا ہوتے دیکھے۔ وہ نرم لہجے میں بول رہا تھا ''اب تمھیں پتا چل گیا؟''

§§§